www.urducouncil.nic.in

مارچ 2026 ، قیمت :- 15 ₹

ماہنامہ

# بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

# قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

## ماہنامہ اردو دنیا نئی دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

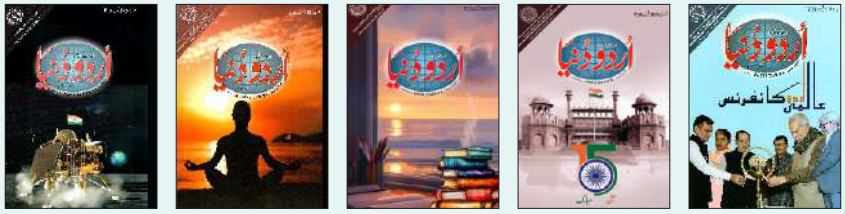



اس رسالے میں علم و ادب، تاریخ، تہذیب، صحافت، سائنس، سماجیات، تراجم سے متعلق اہم مضامین اور نئی کتابوں پر تبصرے شامل کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کونسل کی سرگرمی اور دنیائے علم و ادب اور تہذیب و ثقافت سے متعلق ’خبرنامہ‘ بھی پیش کیا جاتا ہے۔

فی شمارہ: 25 روپے، سالانہ: 240 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

## سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ۔ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندوستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہم سے رابطہ کیجیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

# بچوں کی دنیا

نئی دہلی

جلد: 14 شمارہ: 03 مارچ 2026

مدیر : ڈاکٹر شمس اقبال

مدیر منتظم : ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی

نائب مدیر : نہاں

معاون مدیر : ڈاکٹر فیضان الحق

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارتِ تعلیم۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون:49539000

شعبہ ادارت:49539009-11

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

مطبع: میکاف پرنٹرس، B-127، سیکٹر 65، نوئیڈا-201301 (یوپی)

قیمت:-/15 روپے، سالانہ:-/145 روپے

اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی-110066

فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in

علاقائی مرکز:110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد-500002

فون:040-24415194


## اس شمارے میں

| | | |
|---|---|---|
| اداریہ | مدیر | 04 |
| ڈاک خانہ | قارئین | 05 |
| **مضامین** | | |
| بچے اور ان کی قوت برداشت | حافظ کرناٹکی | 07 |
| ننھے دل، گہرے جذبات | شمیم اختر | 11 |
| **نظمیں** | | |
| استاد | ایم۔ اچ۔ تابش ردولوی | 15 |
| بچہ اور بستہ | سید عقیل احمد | 16 |
| سردی میں 'زردی' | احمد وکیل علیمی | 17 |
| سبزیاں | شمس النسا کرن | 18 |
| سگریٹ نوشی | مقصود خاں علیگ | 19 |
| کہتے ہیں اسے پیسہ بچّو | عبد الناصر | 20 |
| صفائی | وقار احمد | 21 |
| **کہانیاں** | | |
| چڑیل | انور آفاقی | 22 |
| سر! میں آپ کا شاگرد | تنویر اختر رومانی | 24 |
| پتلو میاں | عادل حیات | 27 |
| تجسس سے تحقیق تک | خواجہ کوثر حیات | 32 |
| کبوتر کا مٹکا | معین اللہ حبیب اللہ منیار | 35 |
| جنگل کا ننھا شہزادہ | پرویز مانوس | 39 |
| دوستی | ابو طالب انصاری | 43 |
| **باتصویر کہانی** | | |
| داستاں گو آیا ہے (آخری قسط) | رتن سنگھ | 46 |
| **سائنس** | | |
| پانی کے بغیر زندہ رہنے والے جاندار | ظفر الاسلام | 52 |
| **کھیل کھلاڑی** | | |
| جونیئر عالمی کپ ہاکی ٹورنامنٹ میں جرمنی کی فتح | عبیر الٰہی | 55 |
| **تعارف و تبصرہ** | | |
| پھولی ہوئی لومڑی | غضنفر/ام حبیبہ | 57 |
| **جنرل نالج** | | |
| تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات | ادارہ | 59 |
| **ننھے فنکار** | | |
| پینٹنگ | | 60 |

# نئی روشنی

انسانی زندگی میں کھیل بہت ہی اہم ہے، یہ صرف تفریح کا ذریعہ نہیں بلکہ جسمانی تندرستی اور ذہنی قوت کے لیے بھی ضروری ہے۔ پڑھنے، لکھنے اور سوچنے میں کھیل ہماری مدد کرتا ہے، جب ہم کھیل میں مصروف ہوتے ہیں تو ہمارے جسم کے ساتھ ہمارا ذہن بھی حرکت میں آتا ہے، اس کے بعد جب ہم کتاب پڑھتے ہیں، یا کوئی مضمون اور کہانی لکھتے ہیں تو پہلے کے مقابلے میں ہمارا ذہن زیادہ پرسکون رہتا ہے۔ جب ہمیں ذہنی سکون نصیب ہوتا ہے تو ہم کتاب کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور کہانی وغیرہ لکھتے ہوئے نئے نئے خیالات پیش کر سکتے ہیں۔ اس لیے ماہرین نے تعلیم، تربیت اور اخلاق کے ساتھ کھیل کود کو بھی ہماری ترقی کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔

کھیل بھی دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ جس میں ہمارے ہاتھ پاؤں بلکہ پورا جسم حرکت میں رہتا ہے، ہم دوڑتے بھاگتے اور اچھلتے کودتے ہیں، جس سے ہمارے جسم میں توانائی پیدا ہوتی ہے، اور ذہن بھی پرسکون ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے کھیلوں میں میں ہاکی، فٹ بال، کرکٹ، بیڈمنٹن وغیرہ اہم ہیں۔ دوسرا کھیل وہ ہے جس میں ہمارا ذہن خاص طور پر مشغول رہتا ہے اس میں پزل گیمز، پہیلیاں اور رنگ پہیلیاں وغیرہ شامل ہیں، اس طرح دونوں قسم کے کھیل صحتمند رکھنے کے ساتھ پڑھنے، لکھنے، سوچنے اور سمجھنے میں ہماری مدد کرتے ہیں، اور ہم مقابلہ جاتی امتحانات کے لیے بھی خود کو بہتر محسوس کرتے ہیں۔

اب ہم کھیل کے دوسرے پہلو کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کا دوسرا پہلو کیریر سے متعلق ہے۔ یعنی کھیل میں بھی ہم اپنا کیریر بنا سکتے ہیں بس ضرورت ہے دلچسپی کی اور پوری طرح خود کو اس کے سپرد کرنے کی، کامیابی کے لیے یہ چیزیں بہت ضروری ہیں ان کے بغیر کسی بھی میدان میں کامیابی ممکن نہیں۔ کھیل میں کیریر بنانے کے لیے سب سے پہلے اپنی دلچسپی پر غور کرنا ہوگا اور یہ کہ کس کھیل سے ہم خود کو پوری طرح جوڑ پاتے ہیں دلچسپی کو برقرار رکھتے ہوئے اس میں پوری محنت بھی ضروری ہے۔ کھیل میں بھی ہم کچھ اچھا کر سکتے ہیں جس سے جہاں ہمارا کیریر بنے گا وہیں ہم اپنے ملک کا نام بھی روشن کر سکیں گے۔ جیسا کہ ہمارے ملک کے کئی کھلاڑیوں نے کیا۔ میجر دھیان چند، ہرمن پریت سنگھ، روپ سنگھ، سنیل چھیتری، جرنیل سنگھ، سچن تندولکر، وراٹ کوہلی اور روہت شرما وغیرہ، یہ وہ کھلاڑی ہیں جنھوں نے اپنی دلچسپی کے اعتبار سے خوب خوب محنت کی اور کامیاب ہوئے، ساتھ ہی اپنے ملک کا نام بھی پوری دنیا میں روشن کیا۔

رسالہ بچوں کی دنیا میں معلوماتی مضامین کے ساتھ کھیل کود اور دوسرے مضامین شامل کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ بچوں کی ہر طرح سے تربیت کی جا سکے۔ اس شمارے میں بھی کھیل سے متعلق ایک اہم مضمون شامل ہے، تاکہ بچوں میں کتابوں کے ساتھ کھیل کود سے بھی دلچسپی پیدا ہو۔

آپ کا

شمس اقبال

# ڈاک خانہ

بچوں کی دنیا فروری 2026 کا تازہ شمارہ دستیاب ہوا۔ اس شمارے میں ناچیز کی نظم 'کشتی' شامل ہے، خوشی ہوئی۔ 'کشتی' کے حوالے سے سید حیدر عباس، جوگابائی اوکھلا سے کافی تفصیلی گفتگو ہوئی، انھیں نظم کافی پسند آئی۔ راحت مظاہری کی لوریاں بھی عمدہ ہے۔ نوری رضا کی تحریر 'اسکول کے بچوں میں صفائی کی عادتیں' بہترین ہے۔ شیخ اسامہ کا مضمون 'فضا کو صاف کرنے والے گھریلو پودے' کافی معلوماتی ہے۔ ذکیہ مشہدی کی تخلیق 'ایک سچ مچ کے راجکمار کی کہانی' کا شاداب شمیم نے خوبصورت انداز میں تجزیاتی وتعارفی مطالعہ پیش کیا ہے۔

اداریہ کے متعلق کیا کہا جائے 'تعلیم انسان کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے'۔ اس ایک جملے سے مدیر مکرم کی فکر پوری طرح عیاں ہوگئی۔ ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال کا اقبال بلند ہونے کی یہی ایک وجہ ہے کہ تعلیم ان کے نزدیک سب سے زیادہ معنی رکھتی ہے۔ بچوں کو تعلیم اور سائنس کی طرف راغب کرنے کے تناظر میں لکھا اداریہ خوب سے خوب تر ہے۔

ڈاکٹر حبیب سیفی، حوض رانی، مالویہ نگر نئی دہلی-17

ہر مہینہ ''بچوں کی دنیا'' کا بے صبری سے انتظار ہوتا ہے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ میری طرح ملک کے طول و عرض میں اور بھی بہت سے لوگ اس کا اسی بے صبری سے انتظار کرتے ہوں گے۔ اس کی مقبولیت میں جس طرح اضافہ ہوتا رہا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ کہنا شاید غلط نہیں ہوگا کہ یہ آج کا سب سے مقبول رسالہ ہے جسے سات سے ستّر برس تک کے لوگ دیکھتے، پڑھتے اور سراہتے ہیں اور ایک کے بعد دوسرے شمارے کا اسی بے چینی سے انتظار کرتے ہیں۔

''بچوں کی دنیا'' میں چھوٹوں اور بڑوں کی دلچسپی کا شاید ہی کوئی گوشہ ہو جو تشنہ رہ جاتا ہو۔ اس کے مشمولات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ ترجیحی بنیادوں پر انھیں آگے پیچھے پڑھا جاتا ہو۔ شعری اور نثری دونوں تخلیقات معیاری اور زمانہ کے لحاظ سے فوری توجہ کی مستحق ہوتی ہیں۔ ان کی وجہ سے بیشتر طلبہ کو دیگر مقابلہ جاتی امتحانات میں بڑی مدد مل جاتی ہے۔

''بچوں کی دنیا'' کی ایک خاص روایت یہ رہی ہے کہ وہ طلبہ و طالبات کی بنائی ہوئی ڈرائنگ کے لیے ہر مہینہ کچھ صفحات مخصوص رکھتا ہے۔ ایک طرف تو اس سے ان طلبہ و طالبات کی جمالیاتی حس کی تسکین و تربیت ہوتی ہے تو دوسری طرف ان کی یہی حوصلہ افزائی انھیں مستقبل میں اچھا ڈاکٹر اور انجینئر بننے میں معاون و مددگار ثابت ہوتی ہے۔ غرض کہ ''بچوں کی دنیا'' ایک رسالہ ہی نہیں چلتا

پھر تا ایک مکمل مدرسہ بھی ہے جس سے انسان بنانے کی سعی کی جاتی ہے۔

میری دعا ہے کہ یہ رسالہ اسی طرح دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا رہے اور ہر آنے والا شمارہ اپنے پیش رو سے بہتر ہو۔

اقبال برکی، مالیگاؤں، ناسک، مہاراشٹر

دسمبر 2025 کے بچوں کی دنیا میں خاکسار کی کہانی صداقت اشاعت پذیر ہوئی ہے۔اس کہانی کی پسندیدگی پر مختلف علاقوں سے مبارکبادیاں تو موصول ہو ہی رہیں ہیں مگر خوشی کی انتہا اس وقت نہ رہی جب ایک قاری نے خود کو کشمیر سے انڈین آرمی کا ایک جوان بتایا اور بچوں کی دنیا کا حوالہ دیتے ہوئے کہانی کی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ جیسے ہی کانوں نے سنا کہ دوسری جانب سے ہماری سرحدوں کا محافظ محوگفتگو ہے تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی اور میں جذباتی ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔میں نے ان سے کہا We are proud of you sir (ہم آپ پر فخر کرتے ہیں جناب)

یہ ہمارے رسالے کی کامیابی ومقبولیت کی علامت ہے کہ ہمارے دیش کے محافظ بھی وقت نکال کر اس خوبصورت وخوب سیرت رسالے کو پڑھتے ہیں۔اس ضمن میں ناچیز مدیر محترم کے ہمراہ پورے عملے کو مبارکباد پیش کرتا ہے۔

مشتاق کریمی، 342، شنی پیٹھ جلگاؤں (مہاراشٹرا)

ماہنامہ بچوں کی دنیا کا تازہ شمارہ فروری 2026 موصول ہوا، مشمولات کافی عمدہ ہیں، اداریہ سائنس سے متعلق ہے جس میں سائنس وٹیکنالوجی کو بنیاد بنا کر گفتگو کی گئی ہے اور بچوں کو اس کے مثبت استفادے پر آمادہ کیا گیا ہے،گوشہ مضامین میں سائنس کی مناسبت سے جرار احمد کا مضمون سائنس: یا، کیوں، کیسے؟ عمدہ ہے جس میں بہت ہی صفائی کے ساتھ بچوں کو سائنس کے بارے میں بتایا گیا ہے اور اس میں بچوں کی دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، نظموں اور کہانیوں کے گوشے کافی عمدہ ہیں جس میں بچوں کو حال کے ساتھ ماضی کی جڑوں سے وابستہ کرنے کی جھلک نمایاں ہوتی نظر آ رہی ہے لوریاں، کشتی، چاند، کھچڑی، پاپڑ والی بڑھیا وغیرہ ایسے مشمولات ہیں جو بچوں کی ذہن سازی میں اہم محسوس ہوتے ہیں اس کے علاوہ گوشہ سائنس، داستان گو آیا ہے، ہوا سے باتیں اور بادام کے پانچ فوائد بھی اہم ہیں ذکیہ مشہدی کی تصنیف" ایک سچ مچ کے راج کمار کی کہانی" پر شاداب شمیم کا تبصرہ عمدہ ہے جس میں کتاب کے مشمولات پر اختصار کے ساتھ اچھی گفتگو کی گئی ہے واقفیت عامہ بچوں کی دنیا کا بہت ہی اہم گوشہ ہے جس سے بچے اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کے ساتھ مقابلہ جاتی امتحانات کے لیے بھی خود کو تیار کر سکتے ہیں۔

مجموعی طور پر بچوں کی دنیا کا شمارہ فروری 2026 مشمولات کے تنوع کے ساتھ سرورق اور صفحات کی دیدہ زیبی کے اعتبار سے بھی بہت ہی عمدہ ہے جس سے بچوں کے ادب کی سمت کا بہترین تعین ہوتا نظر آ رہا ہے اس کے لیے مدیر مکرم اور ان کی ادارتی ٹیم کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد۔

سفیان احمد، شیروانی نگر لکھنو

حافظ کرناٹکی

# بچے اوران کی قوت برداشت

**آج کل** جو خاندان خود کو اڈوانس اور مہذب سمجھتے ہیں اس گھر کا تصور کیجیے اور غور فرمایئے کہ کوئی بچہ یا بچی جس نے ایک مخصوص ماحول میں تربیت پائی ہے اپنی ماں سے پوچھتی ہے، ماں میں ذرا دیر کمپیوٹر استعمال کرلوں، یا یہ کہ ماں میں ذرا اپنا ٹیب دیکھ لوں، یا یہ کہ میں ذرا دیر اپنے ٹیب پر کچھ کھیل لوں؟ تو اکثر مائیں اس طرح کی بچوں کی خواہشوں کو نظر انداز کر دیتی ہیں۔ یہ سوچ کر کہ بچے ماں کی ان سنی کو ان کی ناراضگی پر محمول کریں گے اور خاموش ہو جائیں گے لیکن بچے ایسا سوچنے کے بجائے یہ سوچتے ہیں کہ لگتا ہے ماں نے میری آواز نہیں سنی اور وہ پہلے کی بہ نسبت زیادہ تیز آواز میں شدت سے ماں کی اجازت کے طالب ہوتے ہیں۔

ماں بالکل روایتی ماں کی طرح تھوڑی ترشی اور تھوڑی نرمی سے پوچھتی ہے، تم نے اپنے اسکول کا کام کیا، بچے جواب دیتے ہیں ہاں میں نے کر لیا۔ ماں پوچھتی ہے تم نے اپنا ہوم ورک پورا کرلیا، بچے کہتے ہیں ہاں کرلیا۔ لیکن ماں تو ماں ہوتی ہے، اسے خوب معلوم ہوتا ہے کہ ان بچوں نے ابھی اپنا ہوم ورک نہیں کیا ہوگا۔ لہٰذا وہ کہتی ہے ٹھیک ہے، لاؤ نوٹ بکس مجھے دکھاؤ۔ ماں دیکھتی ہے کہ واقعی بچوں نے تو ابھی آدھا ہوم ورک بھی نہیں کیا ہے۔ وہ ناراض ہوتی ہے، اور بچوں سے کہتی ہے پہلے اپنا ہوم ورک پورا کرو۔ پھر ٹیب یا کمپیوٹر استعمال کرنا۔

بچے بھی اپنے دھن کے پکے ہوتے ہیں، وہ ضد کرتے ہیں میں ہوم ورک کرلوں گا مجھے کمپیوٹر استعمال کرنے دیا جائے۔ مجھے ٹیب دے دیا جائے، مگر ماں راضی نہیں ہوتی ہے۔ نہیں پہلے اسکول کا کام پورا کرو، بعد

میں تم کھیل میں مصروف ہو جاؤ گے تو تمھیں یاد بھی نہیں رہے گا کہ ہوم ورک ہوا یا نہیں۔ ماں کی ضد دیکھ کر بچے سہمنے کے بجائے اور بھی ضدی ہو جاتے ہیں۔ اور اسکول کا بستہ پھینک کر اعلان کر دیتے ہیں نہیں کروں گا ہوم ورک۔ پہلے ٹیب پھر ہوم ورک۔ ماں جہاں دیدہ ہوتی ہے، خود پر قابو پاتی ہے، پیار کا سہارا لیتی ہے۔ دیکھو قیامت نہیں آجائے گی۔ پہلے ہم کھیلیں گے، پھر اسکول کا کام کریں گے۔ اگر ہمیں ٹیب نہیں ملا تو ہم کچھ بھی نہیں کریں گے۔

یہ گھر گھر کی کہانی ہے۔ اب بچوں میں پہلے جیسی فرماں برداری، اور وفا شعاری کا جذبہ نہیں پایا جاتا ہے۔ پہلے کے بچوں کی طرح آج کے بچوں میں قوت برداشت نہیں ہے۔ وہ ایک بار کسی چیز کی ضد کر لیتے ہیں تو ہر حال میں اپنی بات منوا کر رہتے ہیں۔

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ آج بچے برداشت کی قوت سے محروم کیوں ہو گئے ہیں؟ یا ہوتے جا رہے ہیں؟ کیا یہ اچانک پیدا ہونے والی تبدیلی ہے؟ ایک بات واضح ہو جانی چاہیے کہ عدم برداشت دراصل اپنی خواہش کی شدت، اپنی مرضی کے حتمی ہونے کا یقین، اپنی پسند کو اپنی انا بنانے کا مسئلہ اور اپنی خود مختاری کا شدید ترین احساس ہے، یہی وہ جذبات بات ہیں جو بچوں سے برداشت کی قوت چھین لیتے ہیں۔

دراصل ان چیزوں کی ذمہ داری بھی والدین پر ہی عائد ہوتی ہے۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ چھوٹے بچوں کو بہلانے کے لیے والدین کمپیوٹر، ٹی وی، یا ٹیب پر اس کی پسند کی کوئی کارٹونی فلم، یا کھیل لگا کر تھما دیتے ہیں۔ کبھی کبھی بچوں کو کھلانے کے لیے بھی ٹیب اور موبائل کا سہارا لیا جاتا ہے۔ پھر ہوتا یہ ہے کہ ٹی وی، اور موبائل کے مناظر بچوں کے ذہن و دل پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ ان کے صاف ستھرے ذہنوں میں بہت سارے مناظر، تصاویر، معرکے اور کھیل نقش ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس کے بعد انھی چیزوں کے حصول کو وہ اپنی تفریح کا لازمی حصہ بنا لیتے ہیں اور جب ان کی خواہش ہوتی ہے ان مناظر اور کھیلوں سے لطف اندوز ہونے کی تو انھیں بڑوں کی روک ٹوک زہر لگتی ہے۔

اب موبائل کے بغیر گزر بسر کرنا تقریباً ناممکن ہو چکا ہے۔ والدین بھی بچوں کو آزادہ رو بنانے میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے غرض ہر معاملے میں ان کی پسند پوچھتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے ان کی پسند کی چیزیں مہیا کرتے ہیں۔ بعد میں بچے جب خود سے کچھ کرنے کے لائق ہوتے ہیں تو اپنی مرضی اور پسند کے کام کرنے لگتے ہیں، اپنی پسند کی چیزیں خریدنے لگتے ہیں، ان میں سے بہت ساری چیزیں والدین کو پسند نہیں آتی ہیں۔ اس لیے جب وہ بچوں کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں تو انھیں لگتا ہے کہ ان کی خود مختاری پر حملہ ہو رہا ہے، اس طرح ان کی قوت برداشت جواب دے جاتی ہے، وسائل کی افراط، پیسوں کی فراوانی، دولت کی بہتات وغیرہ بچوں کی خود پسندی اور من مانی کی خواہش اور ذاتی تسکین کے رویے کو بڑھاوا دیتی ہے۔ اس لیے بچوں میں دوسروں کی سننے اور ماننے کی تاب کم سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ بچوں میں عدم برداشت کی خو پیدا ہونے کی جہاں ایک وجہ دولت کی

فراوانی ہے وہیں دوسری وجہ بچوں پر کم توجہ دینا ہے۔

کام کے سلسلے میں جب میاں بیوی دونوں گھر سے باہر چلے جاتے ہیں تو بچوں کو اپنے غیر اہم ہونے کا احساس جکڑ لیتا ہے، اس طرح ان کے اندر غصہ اور ضد پیدا ہو جاتی ہے۔ انھیں لگتا ہے کہ ان کے والدین کی نظروں میں کام اور پیسوں کے علاوہ کسی چیز کی اہمیت نہیں ہے۔ انھیں یہ بھی لگتا ہے کہ ان کے والدین کے پاس اپنے بچوں کی خواہش، آرزو، تمنا اور ضرورت کو سمجھنے اور جاننے کے لیے وقت ہی نہیں ہے اس لیے بچے ان سے کھنچے کھنچے رہنے لگتے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بچے جب اپنے والدین سے کچھ کہنا چاہتے ہیں، یا کچھ سنانا چاہتے ہیں تو اس وقت بھی والدین اپنے موبائل یا کمپیوٹر کی اسکرین پر نظریں جمائے رہتے ہیں اور اوپری دل سے ہاں نا کرتے رہتے ہیں۔ ان چیزوں کو شدت سے محسوس کرتے ہیں اور اندر ہی اندر کھولنے لگتے ہیں۔ یہ عجیب المیہ ہے کہ اکثر والدین بچوں کی باتوں پر پوری توجہ نہیں دیتے مگر ان کی خواہش ہوتی ہے کہ بچے فوراً ان کے حکم کی تعمیل کریں۔ حالانکہ والدین جو حکم بچوں کو دیتے ہیں، ان میں اکثر انھیں بالکل پسند نہیں ہوتے ہیں۔ پھر بھی وہ اوپری دل سے اسے پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر والدین کی جلد بازی سے وہ بد دل ہو جاتے ہیں، چڑھ جاتے ہیں، اور اکثر چیخ پڑتے ہیں۔ گویا ان کی قوت برداشت نے جواب دے دیا ہو۔

وہ بچے جن کے لیے والدین ڈھیر ساری دولت جمع

کر دیتے ہیں، زمین جائداد فراہم کر دیتے ہیں وہ اور بھی ناکارہ اور شورہ پشت ہو جاتے ہیں، ان میں انتظامی امور کا شعور پروان نہیں چڑھتا ہے، انھیں لگتا ہے کہ ہر چیز پر پر اسی کا حق ہے، اور ساری چیزیں انھیں آن واحد میں مل جانی چاہئیں اور جب ایسا نہیں ہوتا ہے تو وہ اپنے غصے کا اظہار کرنے میں ذرا بھی نہیں چوکتے ہیں۔

آج کا زمانہ حقوق اطفال پر ضرورت سے زیادہ گفتگو کرنے کا ہے۔ یہ باتیں رنگین اسکرین، خوبصورت روشنی، دلکش موسیقی اور جذبات کی سوداگری کے تناظر میں میں کی جاتی ہیں اس لیے ان کا براہ راست اثر بچوں کے ذہن پر ہوتا ہے۔ بچوں کو اسکرین پر بولنے والا انسان سچا، ہمدرد اور اپنا دوست معلوم ہوتا ہے اور اپنے بڑے بزرگ انھیں دشمن نظر آنے لگتے ہیں۔ ان کے خیالات کسی اور سمت پرواز کرتے رہتے ہیں اور انھیں اپنے والدین سے کچھ اور باتیں سننے کو ملتی ہیں۔ اس طرح ان کی ضد، ان کا غصہ اور عدم برداشت کی خوشدت سے ظاہر ہوتی ہے۔

اگر بچوں میں فرماں برداری، صبر و تحمل اور نظم وضبط پیدا کرنے کا ارادہ ہو تو بچپن سے ہی اس پر توجہ کرنی چاہیے۔ اسے ایسا نہیں لگنا چاہیے کہ وہ سبھوں کی آنکھ کا تارا ہے اور اسی کی مرضی، پسند اور ضرورت سب سے مقدم ہے۔ بچوں کی ہر خواہش کی تکمیل بغیر سوچے سمجھے نہیں کرنی چاہیے۔ اس کی ہر پسند کی چیز اسے مہیا نہیں کرنی چاہیے۔ اسے لگنا چاہیے کہ اپنی پسند کی چیزیں حاصل کرنے کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے، قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ صبر کرنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر اپنی پسند کی چیزیں ملتی ہیں۔

جب بڑے، بچوں میں یہ احساس پیدا کر دیتے ہیں کہ ان کے پاس کسی قسم کی کمی نہیں ہے، اس کا مستقبل محفوظ ہے، وہ اپنی پیدائش ہی سے خود کفیل ہے تو بچے ناکارہ، منفعل اور ضدی ہو جاتے ہیں۔ وہ بغیر محنت کے اپنے آپ کو نہ جانے کیا کیا سمجھنے لگتے ہیں۔ اس لیے جب ان کی پسند کا کام نہیں ہو پاتا ہے تو وہ اس چیز کو قطعی برداشت نہیں کر پاتے ہیں۔ اور وہ اپنے ساتھ دوسروں کا بھی نقصان کر گزرتے ہیں۔

بچوں پر بہت زیادہ سختی بھی نہیں کرنی چاہیے، ایسا نہ ہو کہ بچے اپنے بڑوں میں اپنے دشمن کی جھلک دیکھنے لگیں، بچوں سے جو کچھ کروانا ہو محبت سے کروانا چاہیے۔ گفت وشنید سے کام لینا چاہیے۔ کوشش یہ کرنی چاہیے کہ بچے دل سے ان باتوں کو مان لیں۔ جب ایسا ہوگا تو ان کے اندر غصہ پیدا نہیں ہوگا۔ وہ قوت برداشت کی طاقت کو سمجھنے کے قابل بنیں گے۔ انھیں زندگی کی ہر حقیقت کی اہمیت کا احساس ہوگا۔ وہ خود محنت کر کے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس سے ان کے اندر ذمہ داری اور فرض شناسی کی قوت پیدا ہوگی اور پھر آہستہ آہستہ اس کی شخصیت میں نکھار پیدا ہوگا۔ ایسا نکھار جسے دیکھ کر صرف ان کے والدین ہی نہیں دوسرے بھی ان پر فخر کریں گے۔

■

**Hafiz Karnataki**
Darul Hafiz, Jai Nagar
Pahla Cross, Shikaripur
Distt.: Shemoga- 577427 (Karnataka)
Mob.: 9900832077
hafizkarnatakibook@gmail.com

شمیم اختر

# ننھے دل، گہرے جذبات

**ہم اکثر** بچپن کو ہنسی، کھیل اور بے فکری سے پہچانتے ہیں۔ ہم اکثر بچوں کی دنیا کو رنگین، غم اور بوجھ سے پاک سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ تصویر ادھوری ہے۔ اگر ہم رک کر بچے کی آنکھوں میں دیکھتے ہیں تو ہمیں صرف مسکراہٹ ہی نہیں بلکہ سوالات، خوف، امیدیں اور بعض اوقات اَن کہی تکلیف بھی نظر آتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ ننھے دل نازک ہوتے ہیں لیکن ان کے جذبات گہرے اور حقیقی ہوتے ہیں۔

نفسیات ہمیں سکھاتی ہے کہ بچپن وہ مرحلہ ہوتا ہے جب انسان کی جذباتی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ اس عمر کے دوران حاصل ہونے والے تجربات خواہ اچھے ہوں یا برے، زندگی بھر دل اور دماغ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بچوں کے جذبات کو کمتر آنکنا درحقیقت ان کی شخصیت کو نظر انداز کرنا ہے۔

**بچپن کا ذہن: احساسات کا آئینہ**

بچے کا ذہن ایک انتہائی حساس آئینہ ہوتا ہے۔ ہر لفظ ہر رویہ اور ہر تجربہ اس پر اپنی چھاپ چھوڑتا ہے۔ ایک پیار بھرا بیان ان کی خوداعتمادی کو پرواز دے سکتا ہے، جبکہ سخت لہجہ ان کے دلوں میں خوف اور احساس کمتری کا بیج بوسکتا ہے۔ بڑے اکثر کہتے ہیں، ''وہ بچے ہیں، بھول جاتے ہیں۔'' لیکن سچ یہ ہے کہ بچے نہیں بھولتے۔ وہ صرف خاموش ہوجاتے ہیں۔ ان کی خاموشی کے پیچھے اکثر ایسے جذبات ہوتے ہیں جنھیں بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔

**خوشی: چھوٹی لیکن مکمل**

بچوں کی خوشی سادہ اور خالص ہوتی ہے۔ انھیں مہنگے کھلونوں یا عظیم کارناموں کی ضرورت نہیں ہے۔ کسی اپنے کی توجہ، ایک سچی تعریف، یا صرف ساتھ بیٹھ کر گزارا ہوا تھوڑا سا وقت یہی ان کا سب سے انمول خزانہ ہے۔ جب کوئی بچہ کسی چھوٹی کامیابی کے ساتھ بڑوں کے پاس جاتا ہے اور اس کی تعریف نہیں کی جاتی ہے، تو اس کی آنکھیں ایک سوال سے بھر جاتی ہیں۔'' کیا میری

کوششیں قابل ستائش نہیں ہیں؟‘‘

مسلسل ان دیکھی بچوں میں احساس کمتری پیدا کرتی ہے۔ یہ احساس بعد میں خود شک اور عدم تحفظ کی شکل اختیار کرسکتا ہے۔

**خوف: ایک چھوٹے سے دل کی اَن سنی چیخ**

خوف وخدشہ اکثر بچوں کے دلوں میں خاموشی سے بڑھ جاتا ہے۔ تاریکی، تنہائی، اسکول کا دباؤ، امتحان کا خوف، پیاروں سے علیحدگی کا خوف، یا سخت رویہ، یہ سب بچوں کے ذہنوں پر گہرا اثر چھوڑتے ہیں۔ بچے ان خوفناک احساسات کو سمجھ تو لیتے ہیں، لیکن ان میں ہمیشہ انھیں الفاظ میں بیان کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ یہ خوف پھر ان کے رویے سے ظاہر ہوتا ہے، کبھی ضد کی صورت میں، کبھی غیر معقول غصے کی صورت میں، اور کبھی اچانک خاموشی کی صورت میں۔

مشاورت کے دوران یہ واضح ہے کہ بچوں کے خوف کو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ہم نیک نیتی کے ساتھ کہتے ہیں، ’’ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے‘‘ لیکن اس جملے سے بچے کے احساسات کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اس کے نتیجے میں بچہ اپنے خوف کو چھپانا سیکھتا ہے اور یہ دبا ہوا خوف بعد میں پریشانی اور عدم تحفظ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

بچوں کی نفسیات ہمیں سکھاتی ہے کہ خوف کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ صرف سمجھا اور منظّم کیا جاسکتا ہے۔ جب کوئی بڑا کسی بچے سے کہتا ہے، ’’میں سمجھتا ہوں کہ تم خوفزدہ ہو، یا ’’میں تمھارے ساتھ ہوں‘‘ یہ الفاظ بچے کے دل کے لیے ڈھال بن جاتے ہیں۔ اس طرح کے جملے اسے یقین دلاتے ہیں کہ وہ اپنے خوف میں تنہا نہیں ہیں۔

جب بچے کو یقین دلایا جاتا ہے کہ اس کے خوف کو سنا جائے گا، اس کا مذاق نہیں اڑایا جائے گا، تو اس کا دل آہستہ آہستہ مضبوط ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ وہ سیکھتا ہے کہ خوف وڈر کمزوری کی علامت نہیں ہے، بلکہ ایک انسانی جذبہ ہے اور ہر جذبات کو سمجھ اور اپنے پن کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ اپنا پن، یہ توجہ، ایک ننھے سے دل کی ان سنی سسکی کو سکون میں بدل دیتی ہے، اور بچہ بغیر کسی خوف وڈر کے آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کر لیتا ہے۔

**غصہ: درد کی زبان**

بچوں کا غصہ اکثر بدتمیزی نہیں ہوتا بلکہ اندرونی درد کا اظہار ہوتا ہے۔ جب ان کی بات نہیں سنی جاتی، جب ان کے جذبات کو نظر انداز کیا جاتا ہے تو ان کے دل غصے سے بولنے لگتے ہیں۔ نفسیات بتاتی ہے کہ غصے کو دبانے سے نہیں بلکہ اسے سمجھ کر حل کیا جا سکتا ہے۔ ہمدردی سزا سے زیادہ موثر ہے۔ کبھی کبھی ایک نرم لہجہ، ایک سچا سوال۔ ’’آپ پریشان کیوں ہیں؟‘‘ بچے کا دل کھول دیتا ہے۔

**خاموش بچے: گہرائی کا دوسرا نام**

ہر بچہ اپنے جذبات کا ظہار نہیں کر پاتا۔ کچھ بچے بہت خاموش ہوتے ہیں۔ وہ اپنے جذبات دل میں سمیٹ لیتے ہیں۔ ایسے بچوں کو اکثر ’منکسر المزاج‘ یا ’کمزور‘ کہہ دیا جاتا ہے۔ جب کہ حقیقت میں وہ زیادہ سمجھنے اور محسوس کرنے والے ہوتے ہیں۔ خاموش بچوں کو جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے وہ ہے

اعتماد — ایک ایسا ماحول جہاں وہ بلا خوف اپنی بات کہہ سکیں۔ جب کوئی ان کی بات بنا مداخلت کے سنتا ہے تو آہستہ آہستہ ان کی خاموشی آواز میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

**دوستی: ننھے دلوں کے لیے ایک سہارا**

بچپن کی دوستیاں بہت سچی اور معصوم ہوتی ہیں۔ دوستی میں اپنائیت کا احساس بچے کو مضبوط کرتا ہے، اور دھوکہ دہی ان کے دل کو گہرا نقصان پہنچا سکتی ہے۔ کسی دوست کا اچانک چلے جانا، تضحیک کرنا یا اکیلا چھوڑ دینا — یہ تمام تجربات بچے کی خود اعتمادی کو ٹھیس پہنچا سکتے ہیں۔ بچوں کو یہ سکھانا ہماری ذمہ داری ہے کہ رشتوں میں اتار چڑھاؤ آتے ہیں اور زندگی کا کوئی خواب یا کوئی رشتہ ٹوٹنے کے بعد بھی نہیں رکتا۔

**گھر اور اسکول: جذبات کی بنیاد**

گھر اور اسکول بچے کی دنیا کے دو اہم ستون ہیں، جن پر اس کی جذباتی اور ذہنی نشو ونما ہوتی ہے۔ جہاں گھر محبت تعلق اور تحفظ فراہم کرتا ہے، وہیں اسکول سمجھ تعلیم اور رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ ان دونوں جگہوں پر حاصل ہونے والے تجربات اس بات کا تعین کرتے ہیں کہ بچہ کتنا محفوظ، قابل اور مقبول محسوس کرتا ہے۔ لیکن جب توقعات کا بوجھ مسلسل موازنہ اور کامیابی کا دباؤ گھر اور اسکول دونوں جگہوں پر بڑھتا ہے، تو ننھا دل آہستہ آہستہ تھکنے لگتا ہے۔ ایسے حالات میں بچہ اپنی خاموشی میں کئی سوال چھپا لیتا ہے کیا میں کافی نہیں ہوں؟ کیا میری کوششیں بے کار ہیں؟ کیا ہمیشہ مجھ سے زیادہ توقع کی جائے گی؟

ہر بچہ مختلف ہوتا ہے۔

کچھ مطالعے میں دلچسپی رکھتے ہیں،

کچھ کھیلوں میں،

اور کچھ فنون لطیفہ میں۔

جب ہم بچوں کو ان کی صلاحیتوں کے بجائے ایک مقررہ معیار پر پرکھتے ہیں تو ہم نا دانستہ طور پر ان کے جذبات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ایسے میں بہت سے دل شور نہیں کرتے، بس خاموشی سے ٹوٹ جاتے ہیں اور اپنی قدر پر سوال کرنے لگتے ہیں۔ مشاورت اور نفسیات ہمیں سکھاتی ہے کہ گھر اور اسکول دونوں جگہ بچوں کو موازنے کی

نہیں بلکہ انھیں سمجھنے اور حوصلہ افزائی کرنے کی ضرورت ہے۔ جب ایک بچہ محسوس کرتا ہے کہ اس کی کوششوں کو دیکھا گیا ہے اور ان کی تعریف کی گئی ہے، تو اس کا دل مضبوط ہوتا ہے اور وہ بغیر کسی خوف کے اپنی شناخت بنانے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر گھر اور اسکول بچوں کے جذبات کی حفاظت کے لیے مل کر کام کرتے ہیں تو وہی ننھے اور معصوم دل آگے چل کر مضبوط، متوازن اور پر اعتماد افراد بن جاتے ہیں۔

**محبت اور توجہ: سب سے اثر دار مرہم**

نفسیات واضح طور پر بتاتی ہے کہ بچوں کی سب سے بڑی ضرورت محبت اور قبولیت ہے۔ جب بچے کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ جیسے ہے، اسی طرح وہ قابل قبول اور قیمتی ہے، تو اس کا دل مضبوط ہوتا ہے اور اس کا ذہن محفوظ محسوس کرتا ہے۔ یہ احساس اس کے اندر خود اعتمادی کو جنم دیتا ہے، جو زندگی بھر اس کے ساتھ رہتا ہے۔

ایک بار گلے لگانا، ایک سچی مسکان، یا بس اس کے پاس خاموشی سے بیٹھ جانا— یہ چھوٹے اشارے بچے کے دل کو زندگی بھر کی سلامتی سے بھر دیتے ہیں۔ جب ایک بالغ غیر مشروط طور پر ان کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے، توجہ سے سنتا ہے، اور انھیں بغیر کسی فیصلے کے قبول کرتا ہے، تو بچے کو یقین ہو جاتا ہے کہ دنیا مکمل طور پر ظالم نہیں ہے۔

ایک پیار بھرا لفظ، نرم رویہ، اور مسلسل توجہ بچوں کے لیے جذباتی ڈھال بن جاتی ہے۔ یہ ڈھال خوف، ناکامی اور چوٹ کے لمحات میں ان کا ساتھ دیتی ہے۔ ایک بچہ جو پیار محسوس کرتا ہے وہ مشکل حالات میں بھی نہیں ٹوٹتا بلکہ آہستہ آہستہ طاقت کے ساتھ آگے بڑھنا سیکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ لاڈ اور توجہ دوا سے کم نہیں بلکہ ایک ایسا بام ہے جو خاموشی سے ننھے دلوں پر اثر کرتا ہے۔

**حاصل بحث**

ننھے دل نازک ہوتے ہیں لیکن ان کے جذبات گہرے، حقیقی اور طاقتور ہوتے ہیں۔ بچوں کی نفسیات اور مشاورت ہمیں سکھاتی ہے کہ بچوں کی پرورش سے پہلے ان کو سمجھنا ضروری ہے۔ ان کا انکار کرنے کے بجائے ان کے خوف کو قبول کرنا، ان کی خوشی کو غیر معمولی سمجھنا، اور ان کی خاموشی کو سننا۔ یہ وہ راستے ہیں جو ننھے دلوں کو مضبوط کرتے ہیں۔ جب ایک بچہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے جذبات قابل احترام ہیں، انھیں غیر مشروط طور پر قبول کیا جاتا ہے، تو اس کا دماغ محفوظ محسوس کرتا ہے اور اس کا دل آزادی سے سانس لے سکتا ہے۔ محبت، توجہ اور ہمدردی سے بھرا ہوا ماحول بچوں کے لیے ڈھال بن جاتا ہے، جو انھیں زندگی کے دھچکے سے بچاتا ہے۔

اگر گھر اور اسکول بچوں کے جذبات کی حفاظت کے لیے مل کر کام کریں، ان کے خوف کو کمزوری نہ سمجھ کر انسانی جذبات سمجھیں، تو نہ صرف بہتر بچوں کی بلکہ حساس، متوازن اور انسان دوست افراد کی پرورش ممکن ہو سکتی ہے، کیونکہ جو بچے اپنے جذبات کے ساتھ خود کا تحفظ محسوس کرتے ہیں، آگے چل کر ایک ایسی دنیا آباد کرتے ہیں جہاں سمجھ محبت اور انسانیت پروان چڑھتی ہے۔

■

**Dr. Shameem Akhter**
Niwada, Po : Bibipur(Kadeem)
Azamgarh-276135
Mob.:9794262607
shameemakhtar386@gmail.com

نظمیں

# استاد

ایم ایچ تابش ردولوی

کام آتی ہے ہر موڑ پہ تربیتِ اُستاد
بچو! نہ کبھی بھولنا تم عظمتِ استاد

جینے کے سبھی طور سکھاتے ہیں بصد شوق
ماں باپ سے کچھ کم تو نہیں خدمتِ استاد

دشوار ہر اک راہ، وہ کر دیتے ہیں آسان
مل جائے نصیبوں سے جسے چاہتِ اُستاد

اُستاد کی گھڑکی بھی ہے الفت کی علامت
غصے میں بھی ہوتی ہے نہاں الفتِ استاد

مل جائے گی اک روز تجھے منزلِ مقصود
قسمت سے ملی ہے جو تجھے نصرتِ استاد

ہر آن وہ سہ لیتے ہیں بچوں کی شرارت
ہر ایک پہ ہوتی ہے مگر شفقتِ استاد

ہر طفل کے مابین ہے تابش کا یہ پیغام
رکھنا دل و جاں سے بھی قریں عزتِ استاد

■

**M. H. Tabish Rudaulvi**
17/98-A, Moh: Pura Basawan, Post: Rudauli
Distt.: Ayodhya -224120 (UP)
Mob.: 9580228003
Email: tabishrdl1977@gmail.com

# بچہ اور بستہ



سید عقیل احمد

پیٹھ جھکائے ہوئے ہے بچہ
پیٹھ پہ لادے ہوئے ہے بستہ

پانی کی بوتل اور کتابیں
اس میں ہے توشہ اور بیاضیں

وزن ہے بھاری اس بستے کا
لیکن شوق اسے پڑھنے کا

علم کی دولت کو پانے کی
آس ہے آگے بڑھ جانے کی

مشقی کاپی اگر نہ لائے
تب ٹیچر کی ڈانٹ یہ کھائے

بوجھ اٹھانے کی ہے دقت
بچپن میں یہ آئی نوبت

تھک جاتا ہے وزن اٹھائے
اور کبھی یہ اُکتا جائے

کچھ ایسی ترکیب نکالو
وزن گھٹا کر علم بڑھا دو

■

**Syed Aqeel Ahmed**
S/o Khalil Ahmed
H.No.1-1-30, Qila Galli
Udgir- 413517, Distt.: Latur (Maharashtra)
Mob.: 7385191213
Email: syedakheel15@gmail.com

نظمیں

# سردی میں 'زردی'

بزرگوں نے یہ بات بھی ہے بتائی
ضروری ہے سردی میں جیسے رضائی
بھگاتی ہے سردی کو انڈے کی زردی
کہ پیتے ہیں ہم دودھ میں جیسے ہلدی
خدا نے اگر دی ہو ایسی لیاقت
سدا ڈالو سردی میں زردی کی عادت
بھلے نہ ہو تم کو سفیدی کی عادت
سفیدی سے بیشی ہے زردی میں طاقت
نہیں ہے بہت کوئی مہنگا یہ انڈا
اسے کھاؤ آئے جو موسم بھی ٹھنڈا
ڈرو مت کبھی سردی سے میرے بچو!
کرو کم اسے زردی سے میرے بچو!

■

**Ahmad Wakeel Aleemi**
Gali No.: 4, House No.: 5
Kanki Nara,Shamli
24 Pargana- 743126 (West Bengal)
wakeelaleemi@gmail.com

شمس النسا کرن

# سبزیاں

کھا لے بیٹا کھا لے سبزی
تازے مٹر اور آلو گوبھی
روزانہ جو کھائے آلو
طاقت میں وہ ہوگا بھالو
ہے یہ مزے کا بیگن بچو!
خوب ہے اس کا سالن بچو!
گاجر سے ہے جلد کی رنگت
حلوے میں ہے اس کے لذت
لال ٹماٹر دل کو بھائے
کھانے کا یہ لطف بڑھائے
کمزوری کو دور بھگائے
بچوں کو یہ قوی بنائے
مرچی ہے یہ لذت دار
اس میں وٹامن کی بھرمار
معدے کو یہ ٹھیک کرے ہے
لطف تو سارا مرچی سے ہے
سبزی اک مرغوب غذا ہے
یہ تو کرن کی خوب غذا ہے

■

**Shamsun Nisa Kiran**
3-10-92/G2, Mukkadipet
Hindupur- 515201 (Andhra Pradesh)
Mob.: 8500494611
shamshunnisakiran@gmail.com

# سگریٹ نوشی

مقصود خاں علیگ

زندگانی کے پل کیا سستے ہیں
آپ سگریٹ پیتے رہتے ہیں

اہلِ خانہ سے سب کو الفت ہے
کیسے پھر عام گندی عادت ہے
ہے بری پھر بھی لوگ پیتے ہیں
غور کرنے کی اب ضرورت ہے
چھوڑ دیں آپ جب کہ اچھے ہیں
آپ سگریٹ پیتے رہتے ہیں

اس سے ہوتے ہیں کس قدر بیمار
جس سے ہوتی ہے زندگی دشوار
پھول ہے زندگی ملا ہے خار
سیکڑوں طرح کے ملے آزار
پھیپھڑے بھی خراب ہوتے ہیں
آپ سگریٹ پیتے رہتے ہیں

بارہا اس سے ہوگیا سرطان
کتنے گھر کیا کہیں ہوئے ویران
یہ دھواں پرخطر بہت ہے دوست
اس سے برباد ہوگئے ہیں کان
زندگانی تباہ کرتے ہیں
آپ سگریٹ پیتے رہتے ہیں
جسم تھک جاتا ہے بہت جلدی
زندگی بھر ملال ہوتا ہے
دیکھ لو پینے والے کیسے ہیں
آپ سگریٹ پیتے رہتے ہیں

دانت اس سے خراب ہوتے ہیں
دل پہ کتنے عذاب ہوتے ہیں
بال آنکھیں جگر ہوا زخمی
جسم پر کیا عتاب ہوتے ہیں
کیوں کفن اپنا خود ہی سیتے ہیں
آپ سگریٹ پیتے رہتے ہیں

آج ہی عزم ہم کریں پختہ
اب برا کام مجھ سے نا ہوگا
ایسے پاگل سے دور رہنا ہے
جس نے دلوایا تھا مجھے چسکا
سنیے مقصود کے یہ دکھڑے ہیں
آپ سگریٹ پیتے رہتے ہیں

■

**Maqsood Khan**
K-90, First Floor, Sarita Vihar
Near G D Goenka Public School
New Delhi- 110076
Mob.: 8595687815, yedilmk@gmail.com

عبد الناصر





# کہتے ہیں اسے پیسہ بچّو

یہ کام سبھی کے آتا ہے — عزّت بھی ہمیں دلواتا ہے
کاغذ پہ چھپے ہونے کے سوا — دھاتوں سے بنا بھی ہوتا
کہتے ہیں اسے پیسہ بچّو

مسلک نہ کوئی اس کا ہے دھرم — رکھتا ہے چھپا کے سب کا بھرم
اس میں نہ حیا ہے اور نہ ہی شرم — مٹّھی کو بھی کرتا ہے یہ گرم
کہتے ہیں اسے پیسہ بچّو

یہ کام کچھ ایسے کرتا ہے — چہروں پہ رونق لاتا ہے
پل بھر میں گداگر شخص کو بھی — یہ عرش تلک لے جاتا ہے
کہتے ہیں اسے پیسہ بچّو

کچھ محنت کر کے کماتے ہیں — کچھ مفت میں اس کو پاتے ہیں
کچھ چھین جھپٹ کر لاتے ہیں — کچھ ٹیکس چرا کر پاتے ہیں
کہتے ہیں اسے پیسہ بچّو

ہر قوم کے ہاتھوں کی قوّت — ہر چیز کے ہاتھوں کی برکت
افلاس مٹانے کی طاقت — پیدا یہ سدا کرتا حرکت
کہتے ہیں اسے پیسہ بچّو

مل جائے تو مٹّی سونا ہے — کھو جائے تو اس کا رونا ہے
ہر چیز کی مدّت ہوتی ہے — بے وقعت اس کو ہونا ہے
کہتے ہیں اسے پیسہ بچّو

■

**Dr. Abdul Naseer**
At : Pakthoul , Po : Khizer Chak
Distt : Begusarai, Bihar - 851112

وقار احمد



# صفائی

صفائی سے ہوتی ہے ہر سو چمک
گھر آنگن سے لے کر محلے تلک
صفائی نہ ہو تو یہ لگتا ہے ڈر
جراثیم سے بھری جائے نہ گھر
گھروں میں صفائی جو رکھے سدا
بیماری سے ہر دم رہے گا بچ بپا
ہمارے نبیؐ کا یہ فرمان ہے
کہ پاکیزگی نصف ایمان ہے
صفائی سے پاکیزہ گر ہو بدن
تو لگنے لگے پھر عبادت میں من
تو پھر پیار کا بیج بو ڈالیے
محبت سے نفرت کو دھو ڈالیے
ضروری دلوں کی صفائی بھی ہے
اسی میں سبھوں کی بھلائی بھی ہے
صفائی میں بھارت کی پہچان ہو
یہی سب کے دل کا بھی ارمان ہو

■

**Waqar Ahmad**
Mohammad Ali Road Bye Lane, Rani Ganj
West Bengal - 713347
Mob : 8509518686
Mail : wa2455439@gmail

کہانیاں

# چڑیل

صبح نکھری ہوئی تھی، آسمان نیلا صاف تھا، دور تک بادل کا نام ونشان نہ تھا۔ ہوا ٹھنڈی فرحت بخش چل رہی تھی۔ طارق فجر کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے گھر کی طرف لوٹ رہا تھا۔

گھر پہنچ کر سب سے پہلے اس نے اپنے ہم جماعت دوستوں، راحیل اور جمال کو فون کیا، ان سے خیریت پوچھی اور اسکول روانہ ہونے کا وقت طے کیا۔

آج اسکول میں سالانہ فنکشن تھا، جس میں تینوں دوستوں نے حصہ لیا ہوا تھا۔ تینوں نے فنکشن کی تیاریوں کا حال ایک دوسرے سے شیئر کیا۔ طے پایا کہ صبح نو بجے اسکول کے لیے روانہ ہوں گے۔

اسکول گھر سے تقریباً دو کلومیٹر دور بازار کے قریب تھا۔ وہاں جانے کے دو راستے تھے — ایک وہ بڑی سڑک جس پر گاڑیاں چلتی تھیں اور دوسرا سیدھا پگڈنڈی والا راستہ جو مختصر تھا۔

اگر دیر ہو جاتی تو وہ ہمیشہ پگڈنڈی والے راستے سے جاتے، ورنہ عام طور پر مین روڈ ہی سے آتے جاتے تھے۔

تینوں میں طارق سب سے نڈر اور کھیل کود میں آگے رہنے والا لڑکا تھا۔ پڑھائی میں تینوں تقریباً برابر تھے۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق تینوں دوست صبح نو بجے اسکول کے لیے روانہ ہوئے۔ وقت پر اسکول پہنچ گئے۔ کلاس میں موجود ہی تھے کہ ان کے کلاس ٹیچر بھگوان بابو آئے اور حاضری لی۔ انھوں نے بتایا کہ آج کلاس معمول کے مطابق چلے گی اور آخری گھنٹی کے بعد سالانہ فنکشن شروع ہوگا۔

ساڑھے چار بجے پروگرام شروع ہوا۔ مختلف کلاسوں کے طلبہ وطالبات نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

جب ان تینوں کی باری آئی تو شام ڈھل چکی تھی۔ اسکول رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ تینوں دوستوں نے ایک ڈرامے میں حصہ لیا۔ آدھے گھنٹے بعد جب ڈرامہ ختم ہوا تو سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

طارق نے سب سے بہتر کردار ادا کیا، اس کے بعد راحیل اور پھر جمال۔ پروگرام رات ساڑھے آٹھ بجے ختم ہوا۔ اگلے دن شب برات کی وجہ سے اسکول میں چھٹی تھی۔ تینوں دوست اپنے ہم جماعتوں سے ملنے کے بعد رات تقریباً نو بجے گھر کے لیے روانہ ہوئے، چونکہ رات ہو چکی تھی اس لیے انھوں نے طے کیا کہ پگڈنڈی والے راستے سے جائیں گے تاکہ جلدی گھر پہنچ سکیں۔

چاندنی رات تھی۔ راستہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ جمال نے کہا:

''پگڈنڈی سے نہ چلیں، مین روڈ ہی سے چلتے ہیں، دیر ہی سہی۔''

مگر طارق اور راحیل نے کہا:

''دیکھو چاندنی رات ہے، راستہ صاف دکھائی دے رہا ہے، ہم جلد ہی گھر پہنچ جائیں گے۔''

چنانچہ تینوں پگڈنڈی پر چل پڑے۔ جب آدھا راستہ طے ہوا تو جمال اچانک رک گیا۔ اس کی آواز میں خوف کی لہر تھی۔

آگے نہیں جاؤں گا!—وہ بولا۔

طارق نے حیرانی سے پوچھا، ''کیوں؟''

جمال نے کانپتی انگلی سے آگے پیپل کے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

دیکھو! پیپل پر سفید کپڑوں میں ایک چڑیل بیٹھی ہے!''

طارق اور راحیل نے پیپل پر دیکھا تو واقعی سفید ساڑی میں لپٹی ایک دھندلی سی شبیہ دکھائی دے رہی تھی۔

راحیل نے کہا: ''یار جمال صحیح کہہ رہا ہے، واپس چلتے ہیں۔''

طارق نے کہا: ''ڈرومت! وہ کچھ نہیں کرے گی۔''

جمال نے جلدی سے کہا: ''وہ ہماری طرف دیکھ رہی ہے! آج ہم پھنس گئے؟''

اب طارق کے چہرے پر بھی ہلکا سا خوف نظر آیا، مگر وہ فوراً سنبھل گیا۔ اس نے کہا:

''دیکھو! اگر تم سمجھتے ہو کہ بھاگ کر بچ جاؤ گے تو یہ تمھارا وہم ہے۔ چڑیل کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں، سنا ہے نا؟'' دونوں نے سہمی آواز میں کہا ''ہاں، ہوتے ہیں۔''

طارق نے کہا:

''تو پھر ایک ہی راستہ ہے— قدم بڑھاتے رہو، ڈر کا اظہار نہ کرو!''

جمال نے دادی سے سیکھی ہوئی آیت الکرسی پڑھنا شروع کی، راحیل بھی دھیرے دھیرے دعا پڑھنے لگا۔

تینوں آگے بڑھنے لگے۔ طارق سب سے آگے تھا۔ اب وہ پیپل سے تقریباً تین سو میٹر دور تھے کہ جمال نے اچانک طارق کا بازو پکڑ لیا۔

''وہ ہل رہی ہے! اب حملہ کرے گی!'' جمال چیخا۔

طارق بولا: ''نہیں، مجھے تو وہ ہلتی ہوئی نہیں لگ رہی۔ دعا پڑھو اور بڑھتے رہو!''

جب وہ پیپل کے قریب پہنچے تو طارق زور سے ہنس پڑا۔

''دیکھو! اوپر چڑیل کہاں ہے؟''

دونوں نے ڈرتے ڈرتے اوپر دیکھا— وہاں کچھ نہ تھا!

پیپل کے پتوں کے درمیان سے چاند کی روشنی جھانک رہی تھی، جس کی وجہ سے لگتا تھا جیسے کوئی سفید کپڑوں میں بیٹھی ہو۔

تینوں دوست ہنسنے لگے۔ طارق نے کہا:

''تم دونوں نے مجھے بھی ڈرا دیا تھا، مگر جیسے ہی مجھے فزکس کے تاراسر کا سبق یاد آیا کہ چاندنی رات میں چاند کی شعاعیں درخت کے خلا سے گزر کر عجیب سایہ بناتی ہیں، تو سمجھ گیا کہ یہ چڑیل نہیں۔ محض روشنی کا دھوکا ہے!''

تینوں ہنستے ہوئے گھر کی طرف چل پڑے۔

(نوٹ: بچو! اس کہانی میں ایک سبق ہے وہ یہ کہ .....ڈر ہمیشہ وہم سے جنم لیتا ہے، اور علم ہی وہ طاقت ہے جو اندھیرے کو روشنی میں بدل دیتا ہے۔)

■

**Anwar Afaqi (Md. Imamul Hoda Anwar)**
Hoda Manzil, Rajtoli Bhigo
P.O: Lalbagh
Darbhanga- 846004 (Bihar)
Mob.: 9931016273

# سر! میں آپ کا شاگرد

تنویر اختر رومانی



''**سر ....آپ؟**'' اس نے حیرت سے کہا اور میں چونک کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔

''ارے شکیل بیٹے تم؟'' اگلے ہی پل، مارے خوشی کے اسے گلے لگا کر اس کی پیٹھ تھپتھپانے لگا۔ خوشی سے میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور ان آنسوؤں میں بارہ برس پہلے کی چند تصویریں جھلملانے لگیں۔

میٹرک کے فائنل امتحانات کا آخری دن ہے۔ آج جغرافیہ کا امتحان ہو رہا ہے۔ میں نگراں کی حیثیت سے امتحان ہال میں ٹہل رہا ہوں۔ اچانک میری نظر ایک لڑکے پر جاتی ہے، جو نہایت ہوشیاری سے کسی پرزے سے نقل کر رہا ہے۔ میں اس کے پاس جا کر اس سے کاپی چھین لیتا ہوں۔ وہ بوکھلا جاتا ہے۔ پرزہ زمین پر گر پڑتا ہے۔ میں پرزہ اٹھا لیتا ہوں اور اسے کاپی کے ساتھ پِن کر کے کاپی پر لال قلم سے لکھ دیتا ہوں: پرزے سے یہ لڑکا نقل کرتا ہوا پکڑا گیا ہے۔

پھر اس پر اپنے دستخط کر کے میز پر رکھ لیتا ہوں۔

شکیل نام کا وہ طالب علم اکڑ کر کہنے لگتا ہے۔ ''سر! کاپی مجھے واپس کر دیجیے۔''

''اب کاپی واپس نہیں ہوگی.... پورا سال تو کھیل کود آوارہ گردی میں گنواؤ گے اور جب امتحان کا وقت آئے گا تو نقل.....''

''میں کہتا ہوں کاپی واپس کیجیے ورنہ.....ورنہ اچھی بات نہیں ہوگی سر!'' وہ بہت غصے میں تھا۔ اس بار میں خاموش رہتا ہوں۔

پھر اس کی حمایت میں ایک 'دادا' قسم کا لڑکا بول پڑتا ہے۔ ''سر! آپ شکیل کی کاپی دے دیجیے.....اب یہ نقل نہیں کرے گا.....یہ اس کے کریئر کا سوال ہے سر!''

کچھ دوسرے لڑکے اس کی ہاں میں ہاں ملانے

لگتے ہیں۔

''تم لوگ خاموشی سے لکھو ....ورنہ تم لوگوں کو بھی نقصان اٹھانا پڑ سکتا ہے....اگر میں نے ابھی پولیس کو خبر کردی تو جیل تو جاؤ گے ہی....تین سال کے لیے رسٹی کیٹ (Rusticate) بھی ہو جاؤ گے۔''

میری اس دھمکی کا خاطر خواہ اثر ہوتا ہے اور سبھی لڑکے لکھنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ شکیل جب دیکھتا ہے کہ غصے سے کام نہیں چلے گا تو خوشامد پر اتر آتا ہے۔

''دے دیجیے سر!....اب نقل نہیں کروں گا....آج آخری امتحان ہے سر!....میں فیل ہو جاؤں گا سر!''

لیکن میں کاپی واپس نہیں کرتا۔ کیوں کہ جرم کرنے والے کو سزا تو ملنا ہی چاہیے۔ جب رونے گڑگڑانے سے بھی میں نے کاپی واپس نہیں کی تو شکیل امتحان ہال سے باہر نکل جاتا ہے اور جاتے جاتے کہتا ہے۔''ٹھیک ہے ....میرا سال تو بے کار ہوگا ہی ....مگر میں بھی آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔''

میں بے پروائی سے امتحان ہال میں اپنی نگرانی جاری رکھتا ہوں۔

جب ہیڈ ماسٹر صاحب کو اس واقعے کا علم ہوتا ہے تو وہ افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔''آج کل کے لڑکوں کے ساتھ اتنی رعایت تو کرنی ہی ہوگی....آپ کو صرف پرزہ لے لینا چاہیے تھا....کاپی تو واپس کر دیتے ....بڑی غلطی ہوگئی....اب نہ جانے وہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کرے۔''

لیکن میں مطمئن رہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کیا ہے، صحیح کیا ہے۔ ورنہ اس طرح تو تعلیم کا مقصد ہی ختم ہو جائے گا۔ پھر امتحان دینے کی ضرورت ہی کیا رہ جائے گی۔

شام کو ڈیوٹی سے فارغ ہو کر میں گھر کی جانب روانہ ہوتا ہوں۔ ابھی کچھ ہی دور ی طے کرتا ہوں کہ اچانک ایک بڑا سا پتھر میرے سر سے ٹکراتا ہے۔ خون کی ایک لکیر بہہ نکلتی ہے۔ میں سر تھام لیتا ہوں۔ میں پوری طرح سنبھل بھی نہیں پاتا ہوں کہ پاس کی گلی سے چار لڑکے نکل کر مجھ پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ میں خاموشی سے پٹتا رہتا ہوں۔ تھوڑی ہی دیر میں مجھے کچھ ہوش نہیں رہتا۔ آنکھ کھلتی ہے تو اسپتال کے بستر پر خود کو پاتا ہوں۔ سر، چہرے اور دائیں ہاتھ پر پٹیاں بندھی ہوتی ہیں۔

آٹھ دن تک اسپتال میں رہتا ہوں۔ اس دوران میں ہیڈ ماسٹر، دوسرے ٹیچر، پڑوسی، جان پہچان کے لوگ اور رشتے دار میری عیادت کے لیے آتے رہتے ہیں۔

آخری دن ہیڈ ماسٹر صاحب نے مجھے بتایا کہ شکیل کو آج ہی پولیس نے حراست میں لے لیا ہے۔ اس کے والد نے بہت کوشش کی لیکن اسے رہا نہیں کرا سکے۔ ہوسکتا ہے کل اسے جووینائل ہوم (Juvenile Home) بھیج دیا جائے کیونکہ ابھی اس کی عمر سولہ سال ہے۔

اسپتال سے ڈسچارج ہو کر، میں ہیڈ ماسٹر صاحب اور شکیل کے والد کو ساتھ لے کر سیدھا تھانے جاتا ہوں اور اپنی ضمانت پر اسے رہا کراتا ہوں۔ جب مظلوم ہی نہ چاہے تو مجرم کو سزا کیوں ملے۔

جب شکیل کو معلوم ہوتا ہے کہ میں نے ہی اسے اپنی ضمانت پر رہا کرایا ہے تو وہیں تھانے میں میرے پاؤں پکڑ کر پھپھک پھپھک کر روتے ہوئے کہنے لگتا ہے۔

''سر! میں بہت گنہ گار ہوں....میں بہت برا ہوں سر جس

نے آپ کو اتنی تکلیف پہنچائی .... پھر بھی آپ نے مجھے چھڑا لیا....آپ کتنے رحم دل ہیں سر....میں نے آپ کو غلط سمجھا تھا سر....مجھے معاف کر دیجیے سر....معاف کر دیجیے سر!''

اسی طرح وہ اور بھی بہت کچھ کہہ کہہ کر دیر تک روتا رہتا ہے اور اپنی غلطی پر آنسو بہاتا رہتا ہے۔ میری آنکھیں بھی چھلک پڑتی ہیں۔ تھانے میں موجود سارے لوگ اس منظر سے بہت متاثر ہوتے ہیں۔

میں اس کا شانہ تھپک کر کہتا ہوں۔'' بیٹے!....اگر جسم پر کوئی زخم ہو جائے تو لوگ اس کا مناسب علاج کرتے ہیں... یہ نہیں کرتے کہ جسم ہی کو کاٹ کر پھینک دیا جائے....یہ تمھاری بلند کرداری ہے کہ تم نے سچے دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا....صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے ....ذرا بتاؤ تو سہی اگر کسی عمارت کی بنیاد سوکھے بالو پر رکھی جائے تو کیا اس کے مضبوط ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔''

''نہیں سر!....وہ تو شاید چند گھنٹوں میں ہی گر جائے گی۔'' وہ کچھ حیران ہو کر کہتا ہے۔

''تم اپنی بنیاد کمزور کر کے کس طرح ملک و قوم کے لیے ایک مثال بن سکتے ہو؟....تمھارے والدین کس طرح اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر تمھاری تعلیم کے اخراجات اٹھاتے ہیں اور وہ کتنی امیدیں تم سے رکھتے ہوں گے.... ذرا سوچو! آج کا ہر طالب علم ملک کا قیمتی سرمایہ ہے....کل تم ہی لوگوں پر ملک کی باگ ڈور ہوگی....تم ہی میں سے کچھ ذاکر، راجندر، جوہر اور جواہر بنیں گے....تم ہی میں سے کچھ آزاد، گاندھی، شاستری اور سبھاش ہوں گے....اور اس کا سارا دارومدار معیاری تعلیم ہی پر ہے....تمھیں تو اساتذہ اور والدین کی آنکھ کا تارا بننا چاہیے اور اس عظیم دھرتی کے لیے باعثِ فخر!''

میری ان نصیحتوں کا شکیل پر خاطر خواہ اثر ہوتا ہے۔ روتے ہوئے وہ کہتا ہے۔''آپ ٹھیک کہتے ہیں سر!.... اب تک میری آنکھوں پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا تھا....آپ کی محبت اور نصیحت نے میری آنکھیں کھول دی ہیں.... میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ مرتے دم تک آپ کی نصیحت پر عمل کروں گا۔''

میں اس کی پیٹھ تھپتھپا کر اسے دعائیں دیتا ہوں۔

اس واقعے کے کچھ دنوں کے بعد میرا تبادلہ یہاں کے ایک ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے ہو جاتا ہے اور آج بارہ برس کے بعد، شکیل کو اپنے سامنے باادب کھڑا دیکھ رہا ہوں۔

''سر!....کہاں کھو گئے؟....میں ہوں شکیل....آپ کا احسان مند شاگرد!'' اس نے مسکرا کر کہا۔

میں شکیل کو اسکول انسپکٹر کے روپ میں دیکھ کر بے اختیار اسے گلے لگا لیتا ہوں۔ یہ تو ایک استاد ہی کا دل جانتا ہے کہ اس وقت اسے کتنی خوشی ہوتی ہے، جب اس کا کوئی شاگرد اس سے بھی زیادہ اونچے عہدے پر فائز ہو کر اس سے گلے مل رہا ہوتا ہے۔

■

**Tanwee Akhtar Roomani**
59, Chuna Shah Colony
P.O.: Maango
Jamshedpur-831012 (Jharkhand)
Mob.: 7004384853
taroomani@gmail.com

عادل حیات

# پتلو میاں

**سیتاپور** نام کا ایک گاؤں تھا، جس کے ایک سِرے پر بہت ہی بڑا سرسبز و شاداب گیہوں کا کھیت تھا۔ شام کے وقت سورج کی روشنی پڑتی تو سارا کھیت سونے کی مانند چمکنے لگتا اور ہوا چلتی تو گیہوں کی بالیاں آپس میں گلے مل کر بہت ہی سریلی اور خوشگوار دھن چھیڑ دیتیں۔ اس کھیت کے بیچوں بیچ ایک پتلا کھڑا تھا۔ وہ پرانے کپڑوں میں ملبوس کافی لمبا اور مضبوط دکھائی دیتا تھا۔ اس کا سر بھوسے سے بنا تھا، جس پر ایک پرانی بھورے رنگ کی ٹوپی تھی۔ اس کا منہ، کان، ناک اور آنکھیں کوئلے سے بنائی گئی تھیں۔ اس کے چہرے پر پراسرار مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ وہ اپنے لکڑی کے دونوں ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے کھڑا تھا۔ اس حالت میں ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ اپنے کسی عزیز دوست کو خوش آمدید کہنے کے لیے بے قرار ہے۔ اسے گاؤں کے لوگ پتلو میاں کہتے تھے۔ پتلو میاں گردوپیش سے بے خبر دن بھر کھیت میں کھڑا رہتا، لیکن جیسے ہی شام ڈھلنے کے ساتھ چاند اپنی روشنی بکھیرتا اور ہوا میں ٹھنڈک بڑھنے لگتی تو پتلو میاں کی آنکھوں میں چمک پیدا ہونے لگتی۔ اسے اپنی ذمہ داری کا احساس تھا اور اسے بخوبی نباہنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ گیہوں کے کھیت کا پہرے دار، فصل کا محافظ اور اپنے مالک کا وفادار تھا۔ وہ اپنے کام پر فخر کرتا تھا۔

پتلو میاں کو کسی نے بھی دن میں بولتے ہوئے نہیں سنا تھا۔ اگر وہ دن میں ایسی حرکت کرتا تو اس کی چالوں کا پتا پرندوں کو چل جاتا اور وہ اس سے خوف کھانا چھوڑ دیتے۔ اس لیے وہ اپنا جادو رات کے وقت ہی چلاتا تھا۔ سیتاپور کے لوگ سمجھتے تھے کہ پتلو میاں ایک عام سا پُتلا ہے، مگر حقیقت اس کے برعکس تھی۔ اس کے اندر ایک جادوئی قوت تھی، جس سے وہ فصل کی حفاظت کرتا تھا۔ یہ قوت اسے بوڑھے کسان نے بخشی تھی جس نے اسے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا اور مکمل ہو جانے پر اس کے کانوں میں آہستہ سے

کہا تھا:

''میرے کھیتوں کی حفاظت کرنا۔ صرف لفظوں سے نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے بھی۔''

مالک کی ان باتوں نے پتلو میاں پر نہ صرف گہرا اثر کیا بلکہ اسے ایک نئی زندگی بھی بخشی۔

اسی کھیت کے کنارے ایک جامن کا درخت تھا، جس پر ایک ننھی سی شرارتی چڑیا رہتی تھی۔ اس کا نام چکّی تھا۔ چکی بہت باتونی تھی۔ وہ بھورے چمکیلے رنگوں والی چڑیا تھی۔ اس کی آواز میٹھی اور سریلی تھی۔ وہ اپنی اس آواز سے صبح کے وقت گاؤں کے بچوں کو جگایا کرتی تھی۔ چکی کے ساتھ اس کے تین اور دوست رہتے تھے۔ ان میں سے ایک میٹھا نامی توتا تھا جو بے حد نرم دل اور شوقین مزاج تھا، دوسری فُدّو گوریّا تھی، جو ہر وقت کچھ نہ کچھ کھانے کے چکر میں رہتی تھی اور تیسرا سرخ چونچ والا کوّا تھا، جو کافی بہادر تھا، لیکن کبھی کبھی بہت زیادہ شور مچاتا تھا۔ چکی اکثر پتلو میاں کو دیکھ کر کہتی:

''یہ تو بس کھڑا رہتا ہے۔ اسے بولنا اور گھومنا پھرنا آتا ہی نہیں۔ یہ اتنے بڑے کھیت کو کیسے بچاتا ہوگا؟ اس کے ڈر سے ہم پرندے سہمے ہوئے دور دور رہتے ہیں، لیکن مجھے لگتا ہے کہ یہ بس لکڑی کا ڈھانچہ ہے، کچھ نہیں کر سکتا۔''

کوّا اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہتا:

''چلو اسے چیلنج دے کر دیکھتے ہیں کہ وہ کتنا بہادر ہے۔''

ایک دن دوپہر کو دھوپ بہت تیز تھی اور ہوا بالکل ہی نہیں چل رہی تھی۔ اس تپتی گرمی میں چکّی نے اپنے دوستوں کو اکٹھا کر کے کہا:

''آج شام کو ہم جا کر کھیت میں بیج چگیں گے، اگر پُتلو میاں نے ہمیں روکا تو ٹھیک، ورنہ ہماری جیت ہوگی۔''

سب نے خوشی سے چہچہاتے ہوئے ہامی بھری، مگر میٹھا توتا تھوڑا جھجکتے ہوئے نرمی سے بولا:

''ہمیں کسان کے بیج نہیں کھانے چاہئیں، اسے نقصان ہوتا ہے۔''

مگر چکی اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی:

''صرف تھوڑے سے بیج چگنے سے کچھ نہیں ہوتا! چلو نا، یہ ایک مہم ہوگی۔''

جیسے ہی سورج ڈھلا اور شام کی نیلگوں روشنی چاروں طرف پھیلنے لگی، چکی نے اپنے دوستوں کے ساتھ کھیت کی طرف اڑان بھری۔ پتلو میاں ہمیشہ اپنی جگہ پر بے حس و حرکت اسٹیچو بنا کھڑا رہتا تھا، اس لیے انھیں یقین تھا کہ وہ کچھ نہیں کر پائے گا۔ یہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آج کچھ مختلف ہونے والا تھا۔ چکّی اپنے دوستوں کے ساتھ جیسے ہی کھیت کے درمیان بیج چگنے اتری، اسی وقت پتلو میاں نے آہستہ سے اپنی انگلی کو حرکت دی۔ اسے ایسا کرتے ہوئے کوّا نے دیکھ لیا اور گھبرا کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولا:

''ارے، ارے یہ تو... یہ تو ہل رہا ہے۔''

فُدّو نے بھی خوف زدہ ہو کر اپنے پروں کو سمیٹ کر کہا:

''میں تو جا رہی ہوں۔ چکی! یہ تو نے کہاں لا کر پھنسایا ہے۔''

ان کی باتوں پر چکی کو یقین نہیں آیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

''حرکت؟ نہیں .....نہیں، یہ تو بس ہوا کا کھیل ہوگا۔''

اس نے اپنے پروں کو پھڑ پھڑایا اور بیچ کھیت میں جا کر بیج چگنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس بار پتلو میاں نے اپنا بازو ذرا سا بلند کیا اور ہلکی مگر صاف آواز میں کہا:

''رُکو!''

اس کی آواز سن کر چکی سہم گئی۔ اس کا جسم پتھر کی طرح جم گیا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے ڈری ڈری سی آواز نکالتے ہوئے بمشکل کہا:

''پ...پتلا...بولتا ہے؟''

پتلو میاں نے ایک گہری مگر دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا:

''ہاں .....میں بول سکتا ہوں، لیکن صرف رات کے وقت.....چکی! میں تمہیں اور تمھارے دوستوں کو ڈرانا نہیں چاہتا تھا، مگر یہ کھیت کسان کی محنت سے ہرا بھرا دکھائی دیتا ہے۔ یہ کھیت اس کی امید اور اس کا خواب ہے۔ اس کھیت سے ہی اسے روزی ملتی ہے، اگر تم سب اسے نقصان پہنچاؤ گے تو وہ رو پڑے گا۔ مجھے اس کے آنسو برداشت نہیں۔''

اس کی باتوں کو سن کر چکی اور اس کے دوست حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ میٹھا تو تا آہستہ سے آگے بڑھا اور پتلو میاں کو مخاطب کر کے ادب سے بولا:

''ہمیں نہیں معلوم تھا کہ تم کسان کے لیے اتنے اہم ہو۔ ہم تو بس شرارت کرنا چاہتے تھے۔ ہمیں معاف کر دو۔''

پُتلو میاں نے ہامی بھرتے ہوئے اپنا سر جھکا دیا اور نرمی سے بولا:

''میں تم سب کا دشمن نہیں ہوں۔ یہ کھیت سب کا ہے، مگر ہر شے کی ایک حد ہوتی ہے۔ تم درختوں کے پھل کھاؤ، توتیاں چوسو، درختوں پر بیٹھ کر چہچہاؤ، گاؤں میں خوشی کے گیت گاؤ... لیکن بیجوں کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ یہ کسان کی امانت ہیں، جن سے وہ اپنے بچوں کو کھلاتا ہے۔ اگر تم وعدہ کرو تو میں تم سب کا دوست بن سکتا ہوں۔''

چکی کو اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا۔ وہ شرم سے لال ہوتے ہوئے بولی:

''ہم وعدہ کرتے ہیں کہ کھیت کو کبھی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ آج سے ہم آپس میں دوست ہیں۔''

کوّا، جو عام طور پر اکڑتا رہتا تھا، ان کی باتوں کو سن کر ایسے نرم لہجے میں بولا کہ جیسے اس کی آواز میں کسی نے شہد گھول دیا ہو:

''ہاں! اگر کوئی خطرہ آیا تو ہم تمہاری مدد بھی کریں گے۔''

اس رات چاندنی نکھری نکھری سی تھی۔ اس کی دودھیا روشنی میں ہر چیز سنہری دکھائی دے رہی تھی۔ چکی اپنے دوستوں کے ساتھ موج مستی کر رہی تھی۔ وہ ایک ڈالی سے دوسری ڈالی پر پھدکتی پھر رہی تھی۔ پتلو میاں نے اپنے نئے دوستوں کو کھیت کی نگرانی کے نئے طریقے بتاتے ہوئے کہا:

''اگر کبھی کوئی بڑا جانور آئے، کسی گھس پیٹھیے کی نیت خراب ہو جائے یا بارش کا خطرہ بڑھ جائے تو مجھے بتا دینا۔ میں تمہاری مدد سے کھیت کو بچانے کی کوشش کروں گا۔''

یہ سن کر چکی اور اس کے دوستوں کے چہروں پر خوشی

اور فخر کا تاثر ابھر آیا۔ وہ خود کو ایک اہم ذمہ داری کا حصہ سمجھنے لگے۔ چند دنوں بعد ایک رات زور کی ہوا چلی۔ ایسا طوفان آیا کہ بڑے بڑے درخت بھی جڑ سے اکھڑ گئے۔ کھیت میں لگے پودوں کی بالیاں خوف سے کانپنے لگیں۔ آسمان پر سیاہ بادل گرج رہے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر پر بجلیاں کڑک رہی تھیں۔ چکّی اور اس کے دوست اپنے گھونسلوں میں خوف سے دبکے بیٹھے تھے، مگر جیسے ہی انھوں نے دیکھا کہ آندھی تیزی سے پتلومیاں کو ہلا رہی ہے، وہ فوراً اپنے گھونسلوں سے باہر نکل آئے۔ چکّی چیخ کر بولی:

''پتلومیاں! سنبھل کر! تم گر جاؤ گے۔''

پتلومیاں نے اپنی پوری قوت لگا کر اپنے پیروں کو جمانے کی کوشش کی، لیکن طوفان بہت شدید اور خوفناک تھا۔ اسی وقت ایک بڑی آوارہ بکری بھی کھیت میں داخل ہو کر گیہوں کی بالیوں کو روندنے لگی۔ چکّی نے جلدی سے اپنے دوستوں کو پکار کر کہا:

''سب اڑ کر آؤ ..... اس بکری کو بھگاؤ۔ یہ فصل خراب کر دے گی۔''

اس کی آواز سن کر کوّا نے زور سے کائیں کائیں کی، فدو نے بکری کی آنکھوں کے سامنے تیزی سے اڑان بھری اور میٹھا تو تا اس کے کان کے قریب جا کر چلایا۔ ان کی حرکتوں سے آخر کار بکری تنگ آ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس دوران چکی بار بار پتلومیاں کو سنبھلنے کا کہتی رہی۔ آندھی تقریباً پتلومیاں کو گرا ہی چکی تھی، مگر وہ اپنی جگہ پر مضبوطی سے پیروں کو جمائے کھڑا رہا۔ صبح جب طوفان تھم گیا اور سورج طلوع ہو کر اپنی سنہری کرنیں بکھیرنے لگا تو کسان کھیت میں آیا۔ اس نے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ اس کی پوری فصل صحیح سلامت اپنی جگہ پر کھڑی ہے۔ اس طوفان میں پُتلو میاں کی ٹوپی دور جا گری تھی، مگر وہ اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ کسان کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے پُتلو میاں کی ٹوپی کو اٹھاتے ہوئے فخریہ انداز میں کہا:

''واہ میرے پتلو... تم نے پھر میرا ساتھ نبھایا...''

مگر اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ اس رات صرف پُتلو میاں ہی نہیں، بلکہ فصل کو بچانے میں چکّی اور اس کے دوستوں نے بھی تعاون کیا تھا۔

وقت گزرتا گیا۔ فصل پکنے لگی۔ سنہری گندم کی بالیاں لہرانے لگیں۔ کسان کے علاوہ گاؤں کے دوسرے لوگوں کے چہرے خوشی سے تمتمانے لگے۔ چکّی ہر صبح پُتلو میاں کے گرد چکر لگاتی، کوئی فدّو کو تنگ کرتا، کبھی میٹھا تو تا نئی سرگم سناتا اور کوّا اسے اپنے نئے کارنامے سناتے نہیں تھکتا۔ پُتلو میاں کا دل خوشی سے جھوم اٹھتا تھا۔ اب اسے اپنے نئے دوستوں کے درمیان اکیلا پن محسوس نہیں ہوتا تھا۔ جب فصل کٹنے کا دن آیا تو کسان نے پتلومیاں کے پاس کھڑے ہو کر کہا:

''شاید تمھاری وجہ سے یہ فصل بہت اچھی ہوئی ہے .....تم نے صحیح طور پر میری محنت کی حفاظت کی ہے۔''

چکی نے آہستہ سے اپنے دوستوں سے کہا:

''دیکھا؟ دوست بننے سے سب اچھا ہوتا ہے..... اب یہ کھیت صرف کسان کا نہیں بلکہ ہمارا بھی ہے.....ہم سب کا ہے۔''

جب فصل پک گئی تو کسان اسے کاٹنے میں مصروف ہو گیا۔ اس دن موسم کافی سہانا ہو رہا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ آسمان پر اٹھکھیلیاں کرتے بادل

کی اوٹ سے سورج کی کرنیں کافی سہانی لگ رہی تھیں۔موسم کا مزہ لیتے ہوئے پُتلو میاں نے اپنے دوستوں سے کہا:

''تم نے سکھایا کہ دوستی میں کتنی طاقت ہوتی ہے..... اگر ہم آپس میں مل جائیں تو مشکلوں کو آسان بنا سکتے ہیں۔''

چکّی خوشی سے چہچہا اٹھی:

''اور تم نے ہمیں سکھایا کہ دوسروں کی محنت کا احترام کیا جائے۔''

اس رات کھیت میں ایک چھوٹا سا جشن منایا گیا۔ تتلیوں نے چاند کی نرم و ملائم سنہری روشنی میں رقص کیا۔ چکی اور اس کے دوستوں نے خوشی کے گیت گائے۔ پتلو میاں نے اپنے لکڑی کے ہاتھوں کو آسمان کی طرف پھیلائے خدا کا شکر ادا کیا کہ اسے ایسے دوست ملے جو کھیت میں زندگی اور خوشی کا رنگ بھرنے میں مددگار ثابت ہوئے۔ اس وقت گاؤں گہری نیند میں تھا، مگر کھیت میں زندگی کی موسیقی بج رہی تھی۔اس کے بعد ہی لوگوں کو معلوم ہوا کہ کبھی کبھی بے حس و حرکت چیزیں بھی زندہ و متحرک ہوتی ہیں اور کبھی کبھی پرندوں کی چہچہاہٹ بھی کھیتوں کی حفاظت کا ہتھیار بن جاتی ہے۔ پُتلو میاں اب صرف ایک بجوکا نہیں تھا، وہ کھیت کا دل اور دوستوں کا ساتھی تھا۔ کسان کی امید تھا اور چکی نیز اس کے دوست معاون و مددگار تھے۔ایک بے حس و حرکت سا بجوکا، ایک معمولی سا کھیت اور چند چھوٹے چھوٹے پرندے مل کر دوستی، احترام اور محبت کی ایک ایسی کہانی بن گئے، جس کی گونج آج بھی سنائی دیتی ہے۔

■

**Dr. Adil Hayat**
S-11/11, 2nd Floor,
Near Riyan Public School
Jogabai Extention, Jamia Nagar,
New Delhi - 110025
Mob.: 9313055400
adilhayat10@gmail.com


## Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

### سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا/کی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

145 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر..... بتاریخ.....

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/145 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009 میں جمع کروا دیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : .....

پتہ : .....

.....

.....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون:011-26109746 فیکس: 011-26108159, Email.: magazines@ncpul.in

دستخط

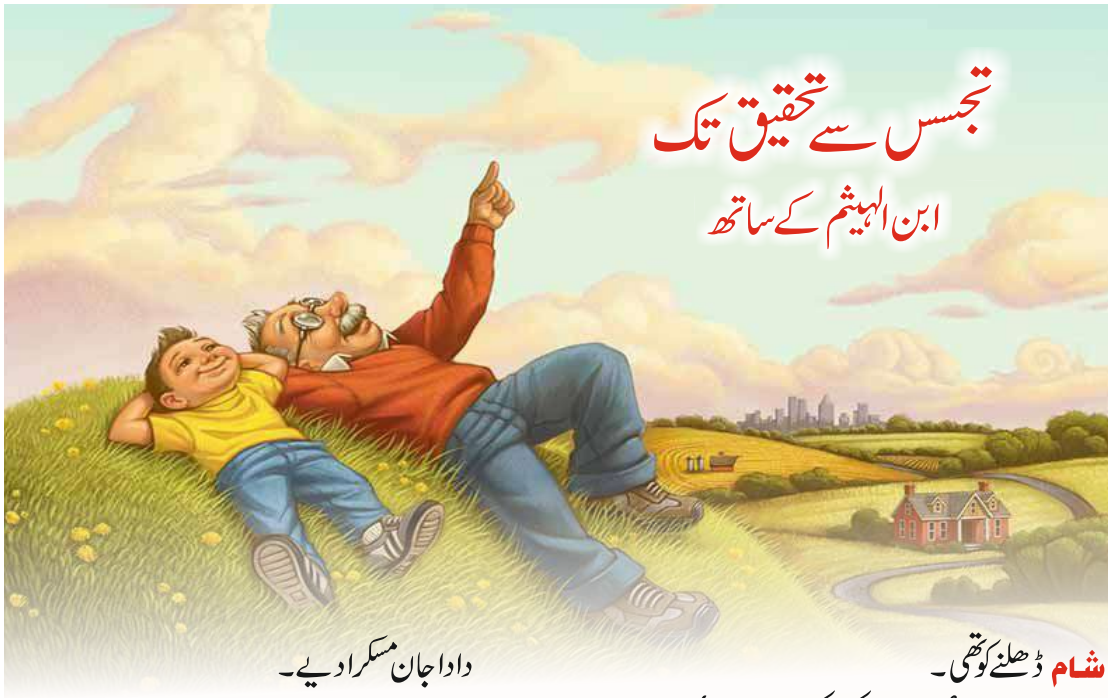

# تجسس سے تحقیق تک

## ابن الہیثم کے ساتھ

**شام** ڈھلنے کو تھی۔

گاؤں کے صحن میں ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ آسمان پر سفید بادل آہستہ آہستہ تیر رہے تھے، جیسے کسی سوال کا جواب اپنے اندر سمیٹے ہوں۔ دادا جان نمازِ عصر سے فارغ ہو کر چارپائی پر بیٹھ چکے تھے۔ بلبل (مریم)، عائشہ اور عثمان حسبِ معمول ان کے اردگرد دائرہ بنا کر بیٹھ گئے۔

بلبل نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے اچانک پوچھا:

''دادا جان! یہ بادل کہاں سے آتے ہیں؟''

عثمان نے حیرانی سے کہا:

''اور کہاں چلے جاتے ہیں؟ ہم روز دیکھتے ہیں مگر کبھی سوچا ہی نہیں۔''

عائشہ نے ذرا جھجکتے ہوئے کہا:

''کیا یہ ہمارے گھروں اور کارخانوں سے نکلنے والا دھواں تو نہیں جو اوپر جا کر بادل بن جاتا ہے؟''

دادا جان مسکرا دیے۔

''بچو! تم جانتے ہو، ابھی تم نے وہی کام کیا ہے جس نے ایک عظیم سائنس داں کو دنیا میں مشہور کر دیا تھا۔''

بلبل چونک گئی۔

''کون دادا جان؟''

دادا جان نے آہستہ سے کہا:

''ابن الہیثم (Ibn Al-Haytham)۔''

عائشہ نے نام دہراتے ہوئے کہا:

''وہی... جنھیں جدید سائنس کا بانی (Father of Modern Scientific Method) کہتے ہیں؟''

دادا جان نے سر ہلایا:

''جی ہاں!۔ ابن الہیثم کہتے تھے کہ سائنس کی شروعات مشاہدے (Observation) سے ہوتی ہے۔''

عثمان نے فوراً پوچھا:

''مشاہدہ کیا ہوتا ہے؟''

دادا جان نے سمجھایا:

''جب ہم اپنی پانچ حسی صلاحیتوں — دیکھنا، سننا، چھونا، سونگھنا اور چکھنا (Five Senses: Sight, Hearing, touch, Smell, Taste) — کے ذریعے کسی چیز کو غور سے دیکھتے ہیں تو اسے مشاہدہ کہتے ہیں۔ تم نے بادل دیکھے، اور تمھارے ذہن میں سوال پیدا ہوا۔''

بلبل نے سوچتے ہوئے کہا:

''اور پھر ہم نے خود ہی ایک جواب سوچ لیا...''

دادا جان مسکرا کر بولے:

''بالکل! جب ہمارا ذہن اپنے محدود علم کی بنیاد پر بغیر ثبوت کے کوئی جواب مان لیتا ہے تو اسے فرض کرنا کہتے ہیں۔ سائنس کی زبان میں یہی مفروضہ (Hypothesis) ہے۔''

عائشہ نے فوراً کہا:

''یعنی میرا یہ کہنا کہ بادل دھوئیں سے بنتے ہیں، ایک مفروضہ ہوا''

دادا جان نے خوش ہو کر کہا:

''شاباش! اور ابن الہیثم یہی کہتے تھے کہ مفروضہ کافی نہیں، اب اسے تجربے (Experiment) سے جانچنا ہوگا۔''

عثمان نے حیرت سے پوچھا:

''کیا ابن الہیثم بھی تجربے کرتے تھے؟''

دادا جان کی آواز میں فخر آ گیا:

وہ پہلے سائنس داں تھے جنھوں نے باقاعدہ تجربات کیے۔

انھوں نے روشنی (Light) کو سمجھنے کے لیے ایک اندھیرے کمرے میں چھوٹا سا سوراخ بنایا اور دیکھا کہ باہر کا منظر اندر الٹا دکھائی دیتا ہے۔''

بلبل کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''یہ تو کیمرہ جیسا ہے!''

دادا جان مسکرا دیے۔

''بالکل! اسی کو کیمرہ اوبسکیورا (Camera Obscura) کہتے ہیں، اور بعد میں اسی اصول (Principle) پر کیمرہ ایجاد ہوا۔''

عائشہ نے سوال کیا۔

''دادا جان! لوگ پہلے دیکھنے کے بارے میں کیا سوچتے تھے''

دادا جان نے وضاحت کی۔

''ابن الہیثم سے پہلے لوگ سمجھتے تھے کہ آنکھوں سے شعاعیں نکلتی ہیں مگر ابن الہیثم نے تجربے سے ثابت کیا کہ:

''روشنی اشیا سے منعکس (Reflection) ہو کر آنکھ میں داخل ہوتی ہے، تب ہمیں نظر آتا ہے۔''

''انھوں نے یہ سب اپنی مشہور کتاب 'کتاب المناظر' (Book of Optics) میں لکھا، جس میں آنکھ کے حصوں جیسے قرنیہ (Cornea)، عدسہ (Lens) اور ریٹینا (Retina) کی وضاحت بھی ملتی ہے۔''

عثمان نے تعجب سے کہا:

''یعنی آنکھ سے روشنی نہیں نکلتی''

دادا جان نے پیار سے کہا:

''جی ہاں! وہ کہتے تھے:

پہلے مشاہدہ (Observation)، پھر سوال (Question)، پھر مفروضہ (Hypothesis)، پھر تجربہ

(Experiment)، پھر اعداد و شمار (Data)، پھر تجزیہ (Analysis)، اور آخر میں نتیجہ (Conclusion)۔''

عائشہ نے فوراً کہا:

''اور اگر نتیجہ مفروضے کے خلاف ہو جائے تو''

دادا جان نے نرمی سے جواب دیا:

''تو کوئی بات نہیں۔ مفروضہ ویسا ہی رہنے دیا جاتا ہے، مگر نتیجہ صاف صاف لکھ دیا جاتا ہے کہ تجربات کی بنیاد پر مفروضہ درست ثابت نہیں ہوا، کیونکہ ابن الہیثم کہتے تھے:

''حق وہ نہیں جو ہم سوچتے ہیں، حق وہ ہے جو تجربہ ثابت کرے۔''

انھوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا:

''اسی طرح تجربات نے ثابت کیا کہ بادل دھواں نہیں بلکہ آبی بخارات (Water Vapour) ہیں، جو سورج کی گرمی (Solar Heat) سے اوپر اٹھتے ہیں۔''

بلبل جوش سے بولی:

''تو ہم نے بھی ابن الہیثم کا طریقہ اپنایا! ہم نے مشاہدہ کیا، سوال پوچھا، مفروضہ بنایا، نتائج دیکھے، تجزیہ کیا اور آخر میں نتیجہ اخذ کیا — جو مفروضے کے حق میں بھی ہو سکتا ہے اور اس کے خلاف بھی۔''

دادا جان نے فخر سے کہا:

''ماشاءاللہ! یہی تو اصل سائنسی طریقۂ کار (Scientific Method) ہے، اور آج پوری دنیا اسی طریقے سے نئی نئی دریافتیں (Discoveries) کر رہی ہے۔''

پھر دادا جان نے قرآن کی اس آیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا

''کیا تم اونٹ کو نہیں دیکھتے ہم نے اسے کیسے بنایا۔''

اللہ تعالیٰ مشاہدہ کرنے کے لیے کہہ رہا ہے۔ مشاہدے کی بنیاد پر ذہن میں سوالات آتے ہیں۔ اونٹ کی گردن کیوں لمبی ہے؟ اونٹ کے پیر جوڑے اور گدی دار کیوں ہیں؟ اونٹ کو کوہان کیوں ہوتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کے کہنے کا مقصد اللہ کی قدرت میں ان نشانیوں کو کھوجنا ہے۔ غور فکر کرنا، ان میں چھپی حکمت کو دریافت کرنا ہے۔ یہی تو سائنس ہے۔

عائشہ نے آہستہ سے کہا:

''یعنی دین اور سائنس دونوں ہمیں سوچنے کا حکم دیتے ہیں۔''

دادا جان مسکرا دیے۔

''بالکل! اور ابن الہیثم نے اسی سوچ کو عمل میں بدلا۔''

تینوں بچے خاموشی سے بادلوں کو دیکھنے لگے۔ اب وہ بادل صرف خوبصورت منظر نہیں تھے، بلکہ مشاہدہ (Observation)، سوال (Question) اور تحقیق (Research) کی علامت بن چکے تھے۔

دادا جان نے دھیرے سے کہا ''یاد رکھو بچو! جو سوال کرتا ہے وہی سیکھتا ہے اور جو تجربہ کرتا ہے وہی سائنس داں بنتا ہے۔''

(تینوں بچوں کے چہروں پر عزم جھلکنے لگا)۔

■

**Khwaja Kauser Jabeen**
Head Mistress, Fatema Urdu Primary School
Bari Colony, Takalkar Society
Aurangabad- 431001 (Maharashtra)
Mob.: 8421934949
khwaja.kauser@gmail.com

معین اللہ حبیب اللہ منیار

# کبوتر کا مٹکا

**زمانہ** وہ تھا جب بادشاہوں کو تلوار سے نہیں، کہانیوں سے فتح حاصل کرنے کا شوق تھا۔ ہندوستان کی ایک سلطنت کے بادشاہ نے اعلان کروا دیا ''جو کوئی ایسی کہانی سنائے، جو ناقابل یقین ہو مگر سچی لگے، میں اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کردوں گا!''

یہ اعلان جنگل کی آگ کی طرح سلطنت بھر میں پھیل گیا۔ بڑے قصہ گو، فصیح و بلیغ درباری اپنی عجیب و غریب کہانیاں لے کر دربار میں حاضر ہوئے۔ کسی نے کہا اس نے چاند پر ڈیرہ ڈالا، کسی نے سورج کی روشنی سے رسی بنائی۔ مگر بادشاہ کو کوئی کہانی پسند نہ آئی۔ سب ناکام لوٹ گئے۔

ایک دن، ایک بوسیدہ چادر اوڑھے، ننگے پاؤں، خاک آلود آنکھوں والا ایک فقیر محل کے دروازے پر آیا۔ پہرے داروں نے اسے روکا، جھڑکا، مگر وہ ادب سے بولا: ''میری جیب خالی ہے، مگر دل میں ایک سچی کہانی ہے۔ اگر اجازت ملے تو بادشاہ سلامت کی خدمت میں پیش کروں۔''

اتفاق سے بادشاہ نے دروازے پر ہونے والی یہ گفتگو سن لی اور حکم دیا:

''لاؤ، یہی شاید وہ ہو جس کی مجھے برسوں سے تلاش ہے!''

فقیر دربار میں آیا، بادشاہ کو سلام کیا، اور آہستہ سے گویا ہوا:

''یہ کہانی میرے والد کی ہے، جو ایک معمولی کبوتر باز تھے۔ ان کا ایک خاص کبوتر تھا— 'گلو'— جو روزانہ اڑتا اور شام کو واپس آتا۔ ایک دن وہ واپس نہ آیا۔ والد پریشان ہوگئے۔ تلاش کے بعد معلوم ہوا کہ کچھ شاطر ڈاکو کبوتروں کو قید کرکے ان سے پیغام رسانی اور چوری کرواتے ہیں— گلو بھی ان کے جال میں آ گیا تھا۔''

''مگر گلو کمزور نہ تھا۔ کئی دن بعد وہ زخمی حالت میں واپس آیا۔ اس کے پنجے میں بندھی ایک پرچی تھی— خزانے کا نقشہ، والد نے اس نقشے پر عمل کیا، سلطنت کے بزرگوں اور مقامی عملداروں کو اطلاع دی، اور جلد ہی فوج حرکت میں آئی۔ ڈاکو گرفتار ہوئے اور ان کے خفیہ ٹھکانے

سے خزانہ برآمد کیا گیا— جسے مکمل طور پر شاہی خزانے میں جمع کروا دیا گیا۔ میرے والد نے ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہ رکھا۔''

''اسی خزانے میں ایک زنگ آلود مٹکا بھی تھا— بظاہر خالی، مگر اس میں راز چھپا تھا۔ والد نے اسے اپنے آنگن میں رکھا۔ ایک رات مٹکے سے آواز آئی: ''جو مجھے ہر روز غروبِ آفتاب پر آنگن میں رکھے گا، اس کے صحن میں سونا گرے گا۔''

والد نے یقین کیا۔ دو دن کچھ نہ ہوا۔ تیسرے دن صبح اٹھے تو آنگن میں تین چمکتے ہوئے سونے کے سکے پڑے تھے''

پھر یہ روز کا معمول بن گیا۔ غروب پر مٹکا آنگن میں، اور صبح کو سونا۔ والد کے پاس دولت آنے لگی، مگر انھوں نے کبھی غرور نہ کیا۔ نہ محل بنوایا، نہ تاج پہنا۔ وہ سونے کے سکے اکثر خاموشی سے زمین میں دفن کر دیا کرتے تھے۔ کہتے تھے:

''جو چیز اوپر سے آئی ہے، وہ زمین میں ہی چین پاتی ہے۔''

رات کی تاریکی میں وہ اکثر چادر اوڑھے، گلیوں میں نکل جاتے۔ غربت کے مارے گھروں کے باہر چپکے سے تھیلیاں رکھ دیتے، جن میں آٹا، چاول، یا سونے کا ایک سکہ ہوتا۔ کئی بار بیماروں کے علاج کے لیے چھپ کر دوا کا انتظام کر دیتے۔ کسی یتیم بچی کی شادی ہو تو پردے کے پیچھے سے زیور بھجوا دیتے۔ کسی کے پھٹے ہوئے کپڑے دیکھتے تو چھپ کر نئے کپڑے رکھ آتے۔

لوگوں کو کبھی معلوم نہ ہو سکا کہ ان مصیبتوں میں یہ نادیدہ مدد کہاں سے آتی ہے۔ حتیٰ کہ ہمیں بھی بہت بعد میں پتا چلا کہ وہ مٹکے سے آنے والی دولت کو صرف اپنی ذات کے لیے نہیں، بلکہ خدا کے بندوں کے لیے استعمال کرتے تھے۔ ان کے نزدیک یہی اصول خزانہ تھا— دوسروں کے درد کو بانٹنا، بغیر نام ظاہر کیے۔

ہمیں ہمیشہ یہ سبق دیتے کہ:

''بیٹا اگر قسمت تمھیں دے، تو تم دوسروں کو دو۔ سخی وہی ہے جو دے کر بھول جائے، اور پانے والا سمجھے کہ خدا نے دیا۔''

پھر ایک سال ایسا آیا جب سلطنت پر قحط چھا گیا۔ بارش نہ ہوئی، کھیت بنجر ہو گئے، لوگ فاقے کرنے لگے۔ شاہی خزانہ بھی خالی ہو گیا۔ بادشاہ سلامت کے والد نے چپکے سے پیغام بھیجا:

''اگر کوئی ہے جو سلطنت کو سہارا دے سکے تو مدد کرے!''

میرے والد... جو نام و نمود سے کوسوں دور رہے، وہی رات کی تاریکی میں سونے کے سکے بھجوانے لگے۔

نہ نام، نہ پہچان— صرف ایک رقعہ ساتھ ہوتا:

''یہ سونا ایک کبوتر کی وفاداری کا پھل ہے... اسے رعایا کے کام لائیے۔''

بادشاہ نے وہ سونا قبول کیا، اور اسے رعایا کی زندگی بچانے میں استعمال کیا۔ لوگوں کو غذا ملی، سلطنت کا پہیہ دوبارہ چلنے لگا۔ کسی کو بھی یہ خبر نہ ہوئی کہ جس نے سلطنت کو سنبھالا، وہ ایک خاموش کبوتر باز تھا جس کا مٹکا دولت برساتا تھا۔

بادشاہ نے سونا لیا، رعایا بچائی، مگر دینے والے کا نام نہ جانا۔ والد کہا کرتے تھے:

''خیر وہی جو خاموش ہو''

اور خزانہ وہی جو چھپا رہے!''

حسبِ معمول اس رات بھی وہ بزرگ، چادر اوڑھے، خاموشی سے غربا کی مدد کے لیے نکلے۔ ایک جھونپڑی کے باہر رک کر انھوں نے چند سونے کے سکے، دوائیوں کا ایک چھوٹا سا پیکٹ اور کچھ کھانے پینے کا سامان رکھ دیا۔ دل میں دعا کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ انھیں کیا معلوم تھا کہ آج وہ جس کے دروازے پر یہ سب رکھ کر آئے ہیں، وہ کوئی عام مسکین نہیں بلکہ مشہور زمانہ چور اور ڈاکو — ''منگل سنگھ'' ہے!

منگل سنگھ کئی سالوں سے بھیس بدل بدل کر مختلف گاؤں میں رہتا، ان کا جائزہ لیتا اور جب موقع ملتا تو گاؤں والوں کو لوٹ کر، رات کے اندھیروں میں غائب ہو جاتا۔ یہ وہی منگل سنگھ تھا جس نے مشہور جادوگر علاء الدین کا جادوئی چراغ چرانے کی بھی کوشش کی تھی۔ چار بار ناکام ہوا، کبھی علاء الدین کی ہوشیاری کی وجہ سے، کبھی اپنی حماقت کے باعث۔ لیکن پانچویں بار اس نے بڑی چالاکی سے چراغ چرا لیا۔

منگل سنگھ کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ دلیر ہے، بہادر ہے، مگر اس میں ایک عجیب خامی تھی: وہ ان پڑھ تھا اور اسے بھولنے کی بیماری تھی۔ اکثر کسی چیز کو چھپا کر خود ہی بھول جاتا کہ کہاں رکھا تھا۔

چور چراغ تو چرا لایا تھا، مگر جب اسے ملنے والی نعمتوں کے الفاظ بولنے کا وقت آیا تو دماغ خالی!

کبھی ''چراغ نکالو کھچڑی!'' بولتا، کبھی ''جن آجاؤ، روٹا بنا دو!''

اور چراغ کا جن حیران!

کہاں کا کھچڑی، کہاں کی روٹی؟

آخرکار چراغ کے جن نے اس کی جہالت اور بھولنے کی بیماری سے تنگ آ کر اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔

اسی رات جب منگل سنگھ نے جھونپڑی کے باہر سے وہ گٹھری اٹھائی، اندر آ کر کھولی، تو حیرت کا پہاڑ اس پر ٹوٹا! سونے کے سکے، دوائیاں، کھانے کا سامان!

اس نے دانتوں میں انگلی دبالی۔ دل میں بولا:

''لگتا ہے یہ کوئی نیکی کرنے والا فرشتہ ہے... یا پھر علاء الدین کی کوئی اور چال!''

مگر منگل سنگھ کی نیت تو وہی تھی — یہ گاؤں بھی، اگلے کسی دن، کسی نئے بہروپ میں لوٹ کر نکل جانا۔

منگل سنگھ ساری رات سونے کے سکے الٹ پلٹ کر سوچتا رہا:

''کیا واقعی یہ کسی بھولے فقیر کی نیکی ہے؟ یا کسی جادو کا کھیل؟ یا پھر علاء الدین کی کوئی نئی سازش؟''

وہ اس آدمی کی تلاش میں لگ گیا جس نے جھونپڑی کے باہر سامان کی تھیلی رکھی تھی۔

وہ دیر رات گاؤں میں گشت کرنے لگا۔

آدھی رات گزرنے کے بعد فقیر آدمی ہلکے ہلکے قدم رکھتے ہوئے ہاتھ میں تھیلا لیے ایک جھونپڑی کی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا اور فقیر آدمی تھیلا رکھ کر غائب ہو گیا، ڈاکو منگل سنگھ نے وقت کا انتظار کیا، اس کے پیچھے نکل پڑا، راستہ تنگ گلیوں کا تھا بس آدھے راستے میں ہی ڈاکو منگل سنگھ بھول گیا میں کس لیے باہر گھوم رہا تھا۔ ادھر والد صاحب گھر پہنچ گئے، کچھ لمحے بعد گلو کے پرزور زور سے

پھڑ پھڑانے کی آواز آئی، والد صاحب سمجھ گئے کچھ تو گڑبڑ ہے گلو جو ایک راز دار تھا اس نے اشارے اشارے میں سب بتا دیا کہ ڈاکو منگل سنگھ تمھارے تعاقب میں ہے شاید وہ جان گئے تھے کہ مٹکے کو اب خطرہ ہے اور خزانہ بھی اب محفوظ نہیں ہے۔ انھوں نے ہڑبڑاہٹ میں مٹکا چھت پر رکھ دیا اور اسے چادر سے ڈھانپ دیا تاکہ منگل سنگھ کو معلوم نہ پڑ سکے۔

صبح میں جب دیکھا تو وہ مٹکا، جو برسوں رزق برساتا رہا، چیخ گیا۔ صبح والد نے اسے ٹوٹا پایا، چپ چاپ اس کے ٹکڑے اپنی پرانی چادر میں لپیٹ دیے۔ چند دن بعد وہ بیمار پڑے اور دنیا سے چلے گئے۔

مگر ان کی وفات کے ساتھ صرف ایک نیک انسان نہ گیا، بلکہ زمین میں چھپایا گیا خزانہ بھی ان کے ساتھ دفن ہو گیا۔ وہ جہاں سونے کے سکے دفن کرتے، نہ نقشہ رکھتے، نہ نشان۔

میں نے کبھی کھودنے کی جرأت نہ کی، کیونکہ انھوں نے وصیت کی تھی:

''بیٹا، امانت کو کبھی لالچ نہ بننے دینا۔''

مرنے سے پہلے وہ صرف اتنا کہہ گئے تھے:

''اگر کبھی وہ بادشاہ قرض بھول جائے، تو جا کر مٹکے کی کھنک یاد دلا دینا۔''

اور آج، حضور! میں وہی کھنک یاد دلانے آیا ہوں!

اگر میری کہانی ناقابل یقین لگے،

تو وعدے کے مطابق شہزادی کا نکاح کیجیے—

اور اگر سچی لگے، تو میرے والد کا وہ قرض چکائیے، جو شاید آج بھی زمین کی کسی گمنام مٹی میں خاموشی سے وعدے کی تکمیل کا انتظار کر رہا ہے!

■

**Moinullah Habeebullah Manyar**
Anglo Urdu High School
Dondaicha- 425408
Taluka: Sindkheda
District: Dhule (Maharashtra)
Mob.: 9158596585
moeenullamanyar@gmail.com

# جواب

1. مارس (Mars)
2. ممبئی
3. چارلس بیبگ (Charles Babbage)
4. جے پور
5. دہلی
6. سچن تیندولکر
7. دہلی
8. 2010
9. بنارس ہندو یونیورسٹی
10. ماؤنٹ ایورسٹ (Mount Everest)
11. فلمی دنیا سے
12. پریاگ راج
13. اتر پردیش
14. (Goods and Service Tax)
15. جاپان
16. Mark Zuckerberg 2004
17. سچن بنسل اور بنی بنسل
18. گجرات
19. کرتو یہ پتھ
20. کمار گپتا

# جنگل کا ننھا شہزادہ

**چپراسی** نے دیوار پر آویزاں گھنٹی بجائی تو ایک شور کے ساتھ تمام بچے اپنے اپنے بستے اٹھائے اور چھٹی ی ی ی ی... کہتے ہوئے اسکول کے گیٹ کی طرف دوڑ پڑے۔

ارے ارے آہستہ...! دوڑو مت، دیر سویر گھر ہی تو پہنچنا ہے، چپراسی نے بچوں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

آدھے بچے دائیں طرف چل پڑے تو آدھے بائیں لیکن کچھ بچے وہیں ایک جگہ رک گئے اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد وہ سارے قدم سے قدم ملاتے ہوئے بڑے پرانے چنار کی طرف چل پڑے۔

یہ پرانا چنار جس کی عمر تقریباً دو سو برس تھی اور اب اس کا تنا کھوکھلا ہونے لگا تھا۔ اس کے سائے تلے اکثر مسافر آرام کرتے، بچے کھیلتے اور چرواہے اپنے مویشی باندھتے۔ آج بھی اسی چنار کے نیچے ایک مداری نے ایک مجمع جمایا ہوا تھا اس کے ساتھ ایک ننھا سا ریچھ کا بچہ تھا، جو لوہے کی نکیل سے جکڑا ہوا تھا۔ وہ دبلا پتلا اور کمزور تھا۔ مگر مداری ڈمرو بجاتا اور زور سے آوازیں نکالتا تو ریچھ کا بچہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوتا، پاؤں بدل بدل کر زمین پر مارتا، جیسے کوئی ناچ رہا ہو۔

مجمع تالی بجاتا، کچھ لوگ سکے بھی پھینکتے اور آگے بڑھ جاتے۔ مگر قریب کھڑے اسکول کے بچے خاموش تھے۔

منٹو سب سے آگے تھا۔ اس نے شلپا کی طرف دیکھا اور آہستہ سے کہا:

''کیا تم بھی یہی سوچ رہی ہو جو میں سوچ رہا ہوں؟''

''مجھے کیا معلوم تم کیا سوچ رہے ہو''، شلپا نے جواب میں کہا تو منٹو نے اشارے سے کچھ کہا تو شلپا نے اثبات میں سر ہلایا۔

''یہ ناچ نہیں ہے اس ننھی سی جان پر ظلم ہے، یہ تو خوف کی وجہ سے ایسے کر رہا ہے۔ دیکھو! اس کی ناک میں لوہا ہے اور پاؤں بھی زخمی ہے۔''

شلپا کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ وہ بولی۔

''معصوم جانور کو انسانوں نے کھیل تماشے کے لیے قید کر رکھا ہے۔ اگر ہم اس کی جگہ ہوتے تو کیا ہم خوش رہ سکتے؟''

راجو نے دانت پیستے ہوئے کہا:

''یہ مداری ظالم ہے۔ اس نے اسے زبردستی ناچنا سکھایا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ ایسے ریچھوں کے دانت نکال دیے جاتے ہیں، ناخن توڑ دیے جاتے ہیں تاکہ یہ

مجبور ہو جائیں اور ان کے اشاروں پر ناچ سکیں۔''

ضمیر سر کہتے ہیں کہ جنگل میں اس کو پکڑنے سے پہلے یہ ظالم اس کی ماں کو مار ڈالتے ہیں تاکہ وہ اس بچے کو پکڑنے میں رکاوٹ نہ بنے۔

ان کی کلاس کی سب سے چھوٹی بچی ثریا بول پڑی۔

''کتنا برا لگ رہا ہے مجھے۔ کاش! ہم اسے آزاد کرا پاتے۔''

مداری نے جیسے بچوں کی سرگوشیاں سن لی ہوں، انھیں گھور کر دیکھا اور بولا۔

''گھور کر کیا دیکھ رہے ہو؟''

''یہ میرا ریچھ ہے! اس سے میں روزی کماتا ہوں۔ تم بچے ہو، جاؤ اپنی کتابیں پڑھو۔ اگر یہ نہ ناچے تو میں بھوکا مر جاؤں گا۔''

اس کی گرجدار آواز سن کر بچے ڈر گئے، مگر دل میں ایک عزم بھی جاگ اٹھا کہ کسی طرح ریچھ کے بچے کو آزاد کرانا ہی ہوگا۔

یہ مداری کافی چالاک معلوم ہوتا ہے جس نے ہمارے ارادوں کو بھانپ لیا ہے، اس ریچھ کے بچے کو اس سے کیسے آزاد کرایا جائے، منٹو نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

راجو جو ادھر ادھر ٹہل رہا تھا، ایک دم اچھل پڑا، آئیڈیا.....!

کیسا آئیڈیا؟ منٹو نے فوراً پوچھا۔

میں بتاتا ہوں آؤ میرے ساتھ.....!

دیکھو یہ مداری کافی لالچی ہے، ہم اسے ریچھ کو پلانے کے لیے لسی دیں گے لیکن وہ اسے دینے کے بجائے خود پی جائے گا۔

وہ ایسا کیونکر کرے گا منٹو نے دریافت کیا تو راجو بولا! ایک تو شدید دھوپ ہے اسے پیاس لگی ہوگی دوسرے ریچھ کبھی لسی پیتا ہی نہیں، یہ تو اسے پھنسانے کے لیے چارہ ہے۔

وہ تو ٹھیک ہے لیکن لسی کہاں سے آئے گی؟ منٹو نے اہم سوال کیا تو راجو نے کہا تم اس کی فکر مت کرو، میں نے گھر سے لنچ کے لیے جو لسی لائی تھی ابھی تک نہیں پی ہے، راجو نے اپنے بیگ سے لسی کی بوتل نکال کر دکھاتے ہوئے کہا تو منٹو نے خوش ہو کر کہا'' گڈ ....! لگتا ہے اب ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے'' پھر راجو سب بچوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔

مداری والے انکل....! کیا ہم اس ریچھ کے بچے کو لسی پلا سکتے ہیں؟ بہت گرمی ہے نا؟

راجو نے سہمتے ہوئے کہا تو لسی کی بوتل دیکھ کر مداری کے منھ میں پانی بھر آیا وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا!۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں، آپ پیار سے لائے ہو تو میں کیسے انکار کر سکتا ہوں، یہ کہہ کر اس نے راجو کے ہاتھ سے بوتل لے لی اور بچے چلے گئے۔

مداری نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے لسی کی بوتل غٹا غٹ پی ڈالی، بچے ایک درخت کی اوٹ سے اُسے دیکھ رہے تھے، راجو نے ہوا میں گھونسہ لہراتے ہوئے کہا یس...! اب تھوڑی ہی دیر میں اسے نیند آجائے گی، لسی کا خمار خطرناک ہوتا ہے۔

ارے تو تو بڑا سائنسدان نکلا، منٹو نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

یہ مجھے میری دادی نے بتایا ہے کہ لسی پینے سے نیند آتی ہے۔

دوپہر ڈھلنے لگی۔ مداری نے کھانا کھایا اور برگد کے نیچے ڈمرو رکھ کر لمبی تان لی۔ ریچھ کا بچہ کھونٹے سے بندھا ہوا تھا۔ اس نے سر جھکایا ہوا تھا، جیسے دنیا سے روٹھ گیا ہو۔

علی نے آہستہ آہستہ مداری کے نزدیک جا کر دیکھا تو بچوں سے آ کر کہا۔

''یہی موقع ہے۔ مداری گدھے بیچ کر سو رہا ہے۔ چلو ہم ریچھ کے بچے کو آزاد کر کے جنگل چھوڑ آئیں۔''

باقی سب چونک گئے۔ مریم نے کہا۔

''اگر مداری جاگ گیا تو ہمیں مارے گا۔''

حمزہ نے ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔

''ڈرنے کی ضرورت نہیں کم از کم دو گھنٹے تک وہ نہیں جاگے گا، ہم مل کر یہ کام کریں گے۔ نیکی میں ڈر کیسا؟ اور ہم اتنے سارے ہیں مداری اکیلا۔''

بچوں نے آپس میں سر جوڑا اور منصوبہ بنایا۔ ثریا پہرہ دے گی تاکہ اگر مداری جاگنے لگے تو فوراً سب کو خبر کرے۔ علی اور حمزہ رسی کھولنے کا کام کریں گے۔ مریم ریچھ کے بچے کو سہلائے گی تاکہ وہ شور نہ کرے۔

مریم نے اپنے اسکول بیگ میں رکھے ہوئے چند سیب نکالے اور ایک ایک کر کے ریچھ کے بچے کو کھلانے لگی تاکہ وہ شور نہ کر سکے۔

علی اور حمزہ دبے پاؤں آگے بڑھے۔ ریچھ کے قریب پہنچتے ہی انھوں نے دیکھا کہ اس کے جسم پر زخموں کے نشان ہیں۔ ناک کے سوراخ میں خون کے خشک دھبے لگے تھے۔

''بے چارہ!'' علی کے لبوں سے نکلا۔

اس نے آہستہ آہستہ کھونٹے میں بندھی رسی کھولی۔ مریم نے ریچھ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ریچھ کا بچہ پہلے تو سہما ہوا تھا، پھر جیسے مریم کے لمس میں پیار اور ہمدردی کو پہچان گیا۔ اس نے ہلکی سی گھُر گھُر کی آواز نکالی، مگر شور نہیں کیا۔

رسی کھلتے ہی ریچھ سیدھا کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور خوشی کا ملا جلا رنگ تھا۔ وہ بچوں کو دیکھ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو آپ کا بہت بہت شکریہ آپ نے اس ظالم سے مجھے نجات دلائی ''اب کیا ہوگا؟''

بچے ریچھ کو لے کر جنگل کی طرف دوڑنے لگے۔ ہوا تیز تھی مگر ان کے دل کی دھڑکنیں اس سے بھی تیز تھیں۔ ہر قدم پر ڈر تھا کہ کہیں مداری جاگ کر ان کے پیچھے نہ آ جائے۔

مگر ساتھ ہی دلوں میں ایک عجیب سکون بھی تھا۔ وہ جانتے تھے کہ وہ ایک جان بچانے کے مشن پر ہیں۔

جنگل کے کنارے پہنچ کر ثریا رک گئی۔

''یہی جگہ ٹھیک ہے۔ آگے ریچھ اپنے گھر کا راستہ خود ڈھونڈ لے گا۔'' اُس نے ریچھ کی ناک سے لوہے کی نکیل نکال دی اور گلے میں بندھی رسی کھول دی۔

ریچھ نے بچوں کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں شکر گزاری تھی۔ اس نے گھُر کی ایک مدھم سی آواز نکالی اور پھر تیزی سے درختوں کے بیچ دوڑ گیا۔ لمحوں میں وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

بچوں کے دل جیسے خوشی سے جھوم اٹھے۔ مریم بولی۔

''کاش! میں اس کے ساتھ دوڑ سکتی۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ وہ اب آزاد ہے۔''

علی نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا:

''اللہ نے آج ہمیں ایک بڑا کام کرنے کا موقع دیا۔ یہ ہمارا راز ہے، مگر ایک دن سب کو معلوم ہوگا کہ ظلم سے نیکی بڑی ہے۔''

ادھر مداری نے جاگ کر ایک بھرپور انگڑائی لی اور ریچھ کو غائب پایا تو چیخنے چلانے لگا۔ گاؤں کے لوگوں کو اکٹھا کر کے کہنے لگا:

''کسی نے میرا ریچھ چُرا لیا ہے۔ یہ میری روزی تھی۔ اب میں بھوکا مروں گا۔''

مگر گاؤں کے کچھ بزرگ بول اٹھے:

''ہم نے برسوں سے دیکھا ہے کہ یہ ریچھ کیسے ظلم سہتے ہیں اس کی ماں کو تم لوگوں نے مار ڈالا ہوگا۔ اس کے دانت، ناخن توڑ ڈالے ہوں گے۔ یہ روزی نہیں ظلم تھا۔''

ایک تو پہلے ہی ہمارے ملک میں ریچھوں کی تعداد بتدریج گھٹ رہی ہے دوسرے تم انھیں چوری چھپے جنگل سے پکڑ کر اذیت پہنچاتے ہو۔

ایک اور بزرگ نے کہا:

''مداری! یہاں کے بچے ہم سے زیادہ سمجھدار نکلے۔ انھوں نے رحم کیا اور اس معصوم کو آزادی دی۔ تم اپنے ظلم پر غور کرو، نہ کہ اپنی روزی پر۔ روزی وہی ہے جو کسی کو دکھ پہنچائے بغیر حاصل کی جائے۔''

مداری شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔

اگلے دن اسکول میں استاد نے بچوں کو جمع کیا اور کہا:

''کل گاؤں میں جو ہوا، وہ ہم سب کے لیے سبق ہے۔ ہمارے چند بہادر بچوں نے ظلم کے خلاف کھڑے ہو کر ایک ننھے ریچھ کو آزاد کیا۔ یہ ان کا بڑا کارنامہ ہے۔''

بچے مسکرا رہے تھے، مگر دل میں عاجزی تھی۔ علی بولا:

''سر....! ہم نے صرف وہ کیا جو ہمارا فرض تھا۔ جانور بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ ان پر ظلم دیکھ کر خاموش رہنا گناہ ہے۔''

مریم نے کہا:

'ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ رحم سب سے بڑی نیکی ہے۔ اگر ہم کمزوروں پر رحم نہیں کریں گے تو انسان کہلانے کے لائق نہیں رہیں گے۔''

استاد نے سب کی تعریف کی اور کہا:

''یہی اصل تعلیم ہے۔ کتابیں ہمیں پڑھنا سکھاتی ہیں، لیکن دل ہمیں نیکی سکھاتا ہے۔''

دیکھو عزیز بچو....!

ظلم کے خلاف کھڑا ہونا عمر کا محتاج نہیں۔ بچے بھی بڑے کارنامے انجام دے سکتے ہیں۔

جانور بھی احساس رکھتے ہیں، ان پر ظلم کرنا بڑی بے رحمی ہے۔

حلال روزی وہ ہے جس میں کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

ہمیں خوشی ہے کہ آپ سب کی کوششوں سے جنگل کا ننھا شہزادہ آزاد ہو گیا، اور آپ سب بچے ہیرو بن گئے۔ ان کے دلوں میں ایک سکون، ایک روشنی اور ایک یقین پیدا ہو گیا کہ دنیا میں اگر ظلم کرنے والے ہیں تو نیکی کرنے والے بھی ہیں۔ اور جب دلوں میں رحم زندہ ہو تو امید کبھی نہیں مرتی۔

■

**Perwaiz Manoos**
H.No: 115, Azad Basti, Natipora West
Srinagar-199015 (UT)
parvezmaanos@2020@gmail.com

# دوستی



ابو طالب انصاری

**سندر بن** بہت ہی بڑا اور گھنا تھا۔ یہاں کا ماحول پر سکون تھا اور ہر قسم کے جاندار یہاں رہتے تھے۔ یہاں گھنے پیڑ، اونچے پہاڑ، پہاڑوں کے دامن میں بہتی ہوئی ندیاں اور گرتے ہوئے آبشار تھے۔ یہاں موسم کے اثرات سے ماحول اتنا خوبصورت ہو جاتا اور خوراک اتنی وافر مقدار میں ملتی تھی کہ دوسرے جاندار بھی یہاں ہجرت کر کے آتے تھے۔ یہیں ایک بڑا سا تالاب تھا جس میں مچھلیوں کے علاوہ اور بھی آبی جاندار رہتے تھے۔ اس میں پیاس بجھانے کے لیے دور دور سے جاندار آتے تھے۔ اسی تالاب میں ایک کچھوا بھی رہتا تھا۔ فرصت کے وقت وہ تالاب کے کنارے آ کر بیٹھ جاتا تھا۔ اس طرح نہ صرف اس کا دل بہل جاتا بلکہ دوسرے جانداروں سے ملاقات بھی ہو جاتی تھی۔ ایک دن ہرنوں کا غول تالاب پر پانی پینے آیا۔ کچھوا ایک طرف باہر ہی بیٹھا تھا۔ وہ ہرنوں کو دیکھ رہا تھا کہ وہ کتنے معصوم اور پیارے تھے۔ پتلی پتلی ٹانگ، دبلا پتلا جسم مگر غضب کی پھرتی۔ وہ مسلسل انھیں دیکھ رہا تھا کہ کیسے چوکنا رہ کر اپنی پیاس بجھاتے ہیں اور کس نظم و اجتماعیت کے ساتھ آتے جاتے ہیں۔ اسی غول میں ایک چھوٹے قد کا پیاری صورت والا ہرن تھا، وہ کچھوے کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اس سے ملاقات کرے اس سے باتیں کرے اور اس سے دوستی کر لے۔ وہ اکثر اپنے ساتھیوں اور گھر والوں کے ساتھ پانی پینے آتا تھا۔ وہ جب آتا کچھوا اسے غور سے دیکھتا رہتا۔ ایک دن پانی پیتے ہوئے ہرن کی بھی نظر کچھوے پر پڑی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ ہرن بھی اسے دیکھ کر مسکرا دیا، اس کے علاوہ دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ مگر یہ ہلکی سی مسکراہٹ نے شناسائی کی بنیاد ڈال دی۔ اگلی بار جب ہرن آیا تو کچھوے نے آگے بڑھ کر بات شروع کی۔ میں تمھیں بہت دنوں سے دیکھتا ہوں تم لوگ یہاں پانی پینے آتے ہو، کہاں رہتے ہو؟۔ ہم یہاں سے بہت دور رہتے ہیں۔ تو یہاں کیسے؟ یہاں کا پانی بہت اچھا ہے اور آس پاس بہت سارا چارا بھی ہے۔ یہاں تک آنے میں بہت سارے دوسرے جانوروں سے بھی ملاقات ہو جاتی ہے۔ اور تم! میں تو یہیں رہتا

ہوں، کچھوے نے کہا۔ اچھا میں چلتا ہوں، میرے ساتھی سب جارہے ہیں، کل ملاقات ہوگی۔ ہرن اتنا کہہ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلا گیا۔ کچھوا دور تک اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ کتنا معصوم ہے یہ کتنی پیاری باتیں کرتا ہے۔ اس کے چلے جانے کے بعد وہ دیر تک اسی کے بارے میں سوچتا رہا۔ وہ بہت خوش تھا ہرن سے دوستی کرکے۔

اب ان کی روزانہ ملاقاتیں ہونے لگیں، دونوں مل کر ڈھیروں باتیں کرتے اپنے گھر خاندان کی اپنے گردو پیش کی۔ دونوں ایک دوسرے کے بارے میں جان کر حیرت کرتے کہ کس طرح یہ موسموں کی تبدیلی شدید سردی، گرمی اور بارش میں جیتے ہیں۔ دوستی کی وجہ سے ہرن کبھی کبھی اکیلے ہی کچھوا سے ملنے چلا آتا تھا۔ ہرن جب بھی تالاب پر جاتا کچھوے کو منتظر پاتا تھا۔ اگر کسی وجہ سے ہرن کو آنے میں دیر ہو جاتی تو وہ بے چین ہو جاتا۔ اسی طرح اگر کچھوے کو آنے میں دیر ہو جاتی تو ہرن بھی بے قرار رہتا۔ ایک دن ہرن پانی پینے گیا، مگر معمول کے خلاف وہاں کچھوا نہیں تھا۔ وہ پانی پینے کے بعد بہت دیر تک رکا رہا مگر کچھوا نہیں آیا۔ آخر ہرن مایوس ہوکر اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس چلا آیا، مگر دل میں اس کے طرح طرح کے خیالات آتے رہے کہ کوئی بات تو نہیں ہوگئی؟ کہیں وہ بیمار تو نہیں ہے؟ دوسرے دن جب دونوں کی ملاقات ہوئی تو ہرن نے غیر حاضری کی وجہ پوچھی، کچھوے نے اپنا پیر دکھاتے ہوئے کہا کہ اس کا پیر زخمی ہوگیا تھا۔ ہرن نے دیکھا تو وہاں زخم تھا کل میں بہت دیر تک تمھارا انتظار کرتا رہا۔ ہاں میں جانتا ہوں تم نے میرا انتظار کیا ہوگا مگر میں تکلیف کی وجہ سے نہیں آسکا، ہرن اسے دلاسہ دے کر واپس آگیا۔

اگلے دن جب ہرن آیا تو اس کے ہاتھ میں مرہم تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے اس کے زخم پر مرہم لگایا، کچھوے کی آنکھ اس ہمدردی اور اپنائیت کی وجہ سے بھیگ گئی۔ ہرن کا کچھوے کے زخموں پر مرہم لگانا دراصل دوستی کے دستاویز پر مہر لگانے جیسا تھا۔ دونوں کی دوستی اب مستحکم ہوگئی۔ دونوں ملتے اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ

میں شریک ہوتے۔ بن میں اب دونوں کی دوستی کے چرچے ہونے لگے تھے اور کچھ ان سے حسد بھی کرنے لگے تھے۔ کچھ بوڑھے اور تجربہ کار لوگ ان کی دوستی پر تعجب کرتے اور کہتے کہ دونوں ایک دن بہت نقصان اٹھائیں گے۔ دوستی اپنی جنس اور برابر والوں سے ہوتی ہے۔ ایسی ہی دوستی نبھتی ہے اور پائیدار ہوتی ہے۔ مگر وہ سب سے بے نیاز دوستی کے جھولے جھول رہے تھے۔

ایک دن ہرن نے کچھوے سے کہا کہ تمہارے آنے میں جب دیر ہو جاتی ہے تو میرا دل گھبرانے لگتا ہے اور میری بے قراری بڑھ جاتی ہے ایسے ہی تم بھی مجھ سے ملنے کے لیے بے چین رہتے ہو۔ ایسا کچھ کرتے ہیں ہمیں ایک دوسرے کے آنے کی خبر فوراً مل جائے۔ دیکھو تم زخمی ہوئے تو مجھے خبر تک نہ ہوئی۔ ہاں! بات تو ٹھیک ہے کچھوے نے کہا، مگر کیا کریں؟ ایسا کرتے ہیں ایک ڈوری پیر میں باندھ لیتے ہیں۔ ڈوری کا ایک سرا تم اپنے پیر میں باندھ لو اور دوسرا سرا میں اپنے پیر میں باندھ لیتا ہوں۔ جب تمھیں ملنا ہو تو ڈوری ہلانا اور مجھے ملنا ہو میں ڈوری ہلاؤں۔ اس طرح دونوں کافی عرصے تک ملتے رہے اور دوستی نبھاتے رہے۔

ایک دن دونوں پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ اچانک گولی چلنے کی آواز آئی۔ گولی کی آواز سن کر پرندے اپنے آشیانوں سے نکل کر ادھر ادھر اڑنے لگے، جانور افراتفری میں بے تحاشہ بھاگنے لگے۔ ماحول ڈراؤنا ہو گیا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اچانک یہ کیا ہو گیا؟ ہرن نے خوفزدہ نظروں سے سامنے دیکھا تو کچھ دور پر ایک شکاری کھڑا نظر آیا۔ گولی اس نے چلائی تھی مگر نشانہ خطا ہو گیا تھا۔ دونوں سہم گئے۔ کچھوے نے ہرن سے کہا یہاں جان کا خطرہ ہے۔ فوراً بھاگو، میں بھی جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ پانی میں کود گیا اور تیزی سے تہہ کی طرف جانے لگا۔ بدحواسی میں ہرن بھی چوکڑی بھرتے ہوئے بھاگا۔ مگر تھوڑی دور جانے کے بعد اسے لگا کہ ڈوری کوئی کھینچ رہا ہے۔ وہ آگے جانا چاہتا تھا مگر ڈوری اسے آگے بڑھنے نہیں دے رہی تھی۔ یہ کچھوا تھا جو پانی کی تہہ میں جا رہا تھا مگر اس کی وجہ سے وہ آگے نہیں بڑھ پا رہا تھا۔ ڈوری ہرن کھینچتا تو کچھوا پانی سے باہر نکل آتا اور کچھوا کھینچتا تو ہرن گر جاتا۔ اسی کھینچا تانی میں شکاری نزدیک آ گیا۔ ہرن شکاری کو دیکھ کر بدکا اور تیزی سے ڈوری کھینچتے ہوئے بھاگا۔ اس کے ساتھ کچھوا بھی زمین پر گھسٹتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ گھٹنے کی وجہ سے وہ زخمی ہو گیا تھا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد ڈوری جھاڑیوں میں پھنس گئی۔ شکاری بندوق تھامے دوسری گولی داغنے کے لیے تیار تھا مگر اس کی نوبت نہیں آئی۔ ہرن جھاڑیوں میں پھنسا ہوا تھا، خوفزدہ، مجبور اور بے بس اور کچھوا زخمی حالت میں بے ہوش پڑا تھا۔ شکاری آگے بڑھا اور دونوں کو پکڑ کر لے گیا۔ دیکھا بچو! ان کا انجام۔ دوستی ہمیشہ اپنے جیسے اور اپنے برابر کے لوگوں سے ہی کرنا چاہیے۔

■

**Dr. Abu Talib Ansari**
187, Ghori Para
Bhiwandi- 421302 (Maharashtra)
Mob.: 9823755795
drabutalibansari@gmail.com

آخری قسط

# داستاں گو آیا ہے

رتن سنگھ

مصور: فجر الدین

با تصویر کہانی

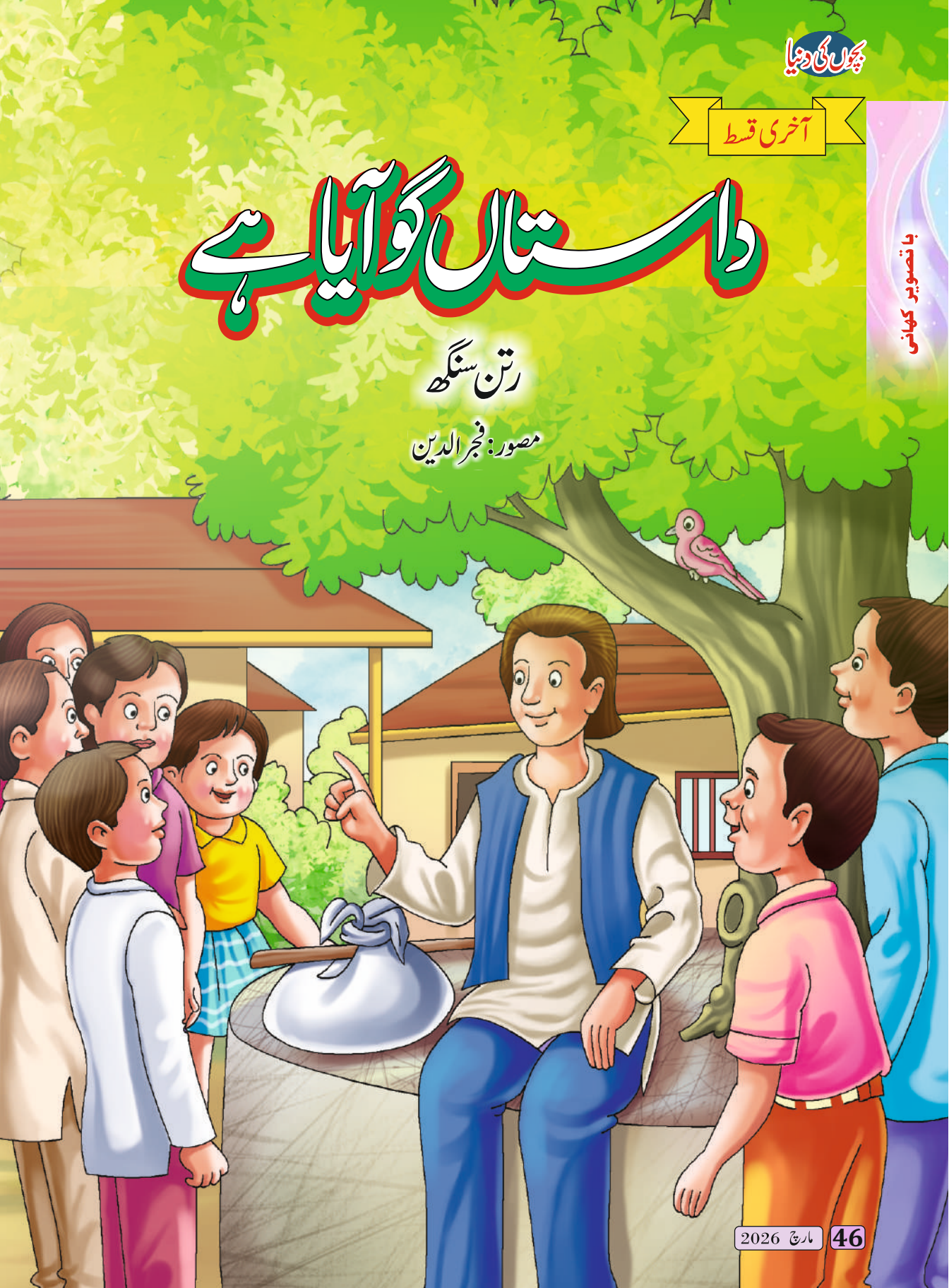

باتصویر کہانی

پھلوں کا بھاری گٹھر اُٹھائے لکڑہارا گھر کی طرف جا رہا تھا
تو اُس کا سپنا ٹوٹ گیا۔
کہتے ہیں کہ اب لکڑہارے کے گھر میں زِندگی کی بڑی رحمت ہے
یوں کہیے کہ اب برکت ہی برکت ہے۔

اِتنا کہہ کر داستاں گو نے اپنا پٹارا کھولا
اور بچوں سے یوں گویا ہوا۔

آپ کا ہے فرض اولیں جنگل بچا کے رکھنا
دھرتی کے ہیں یہ زیور اِن کو سجا کے رکھنا
جنگل کے دم سے ہم ہیں جنگل سے زِندگی ہے
جنگل کی حفاظت ہی قدرت کی بندگی ہے

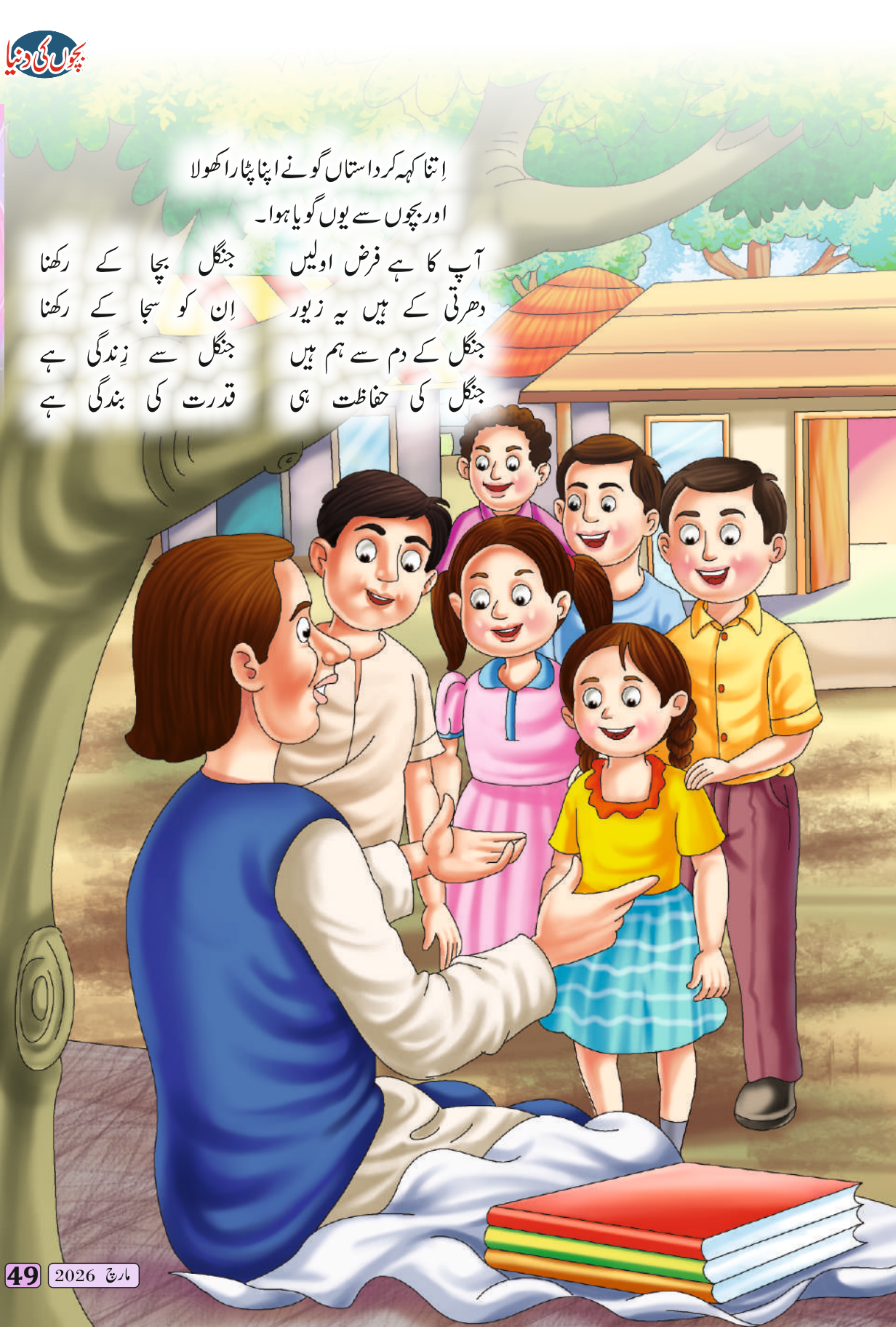

یہ کہتے ہوئے داستاں گو نے اپنا پٹارا لپیٹا
اور دوسری جگہ جانے کے لیے اٹھا۔

بچوں نے کہا۔ جاؤ۔ ضرور جاؤ اور یہ سندیشہ سب کو سُناؤ
لیکن ہمیں اپنا نام اور پتہ تو بتاؤ۔
ارے نام میں کیا رکھا ہے؟ زِندگی کا حاصل تو افسانہ ہے۔
اور کتابوں میں میرا ٹھکانہ ہے،
جہاں قاری ہے، وُہیں میرا ڈیرا ہے۔
اور وقت کا ہر دَور میرا ہے۔

ختم شد

# پانی کے بغیر زندہ رہنے والے جاندار

ظفر الاسلام

**پانی** زندگی کے لیے انتہائی اہم اور صحت مند رہنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ ہر جاندار اپنی ضرورت کے اعتبار سے پیتا اور استعمال کرتا ہے۔ لیکن دنیا میں کئی ایسے جاندار بھی پائے جاتے ہیں جو بغیر پانی اور غذا کے ہفتوں، مہینوں اور کچھ تو سالوں زندہ رہ سکتے ہیں۔ وہ اپنے جسم کے اندر موجود پانی کو بہتر طریقے سے محفوظ رکھتے ہیں، سخت ماحول میں زندہ رہنے کے لیے خصوصی جسمانی ساخت کے حامل ہوتے ہیں اور اپنی بقا کو یقینی بناتے ہیں۔ مذکورہ مضمون میں ایسے ہی چند جانداروں کا اجمالی جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے جو بغیر پانی کے زیادہ عرصے تک خود کو باقی (survive) رکھ سکتے ہیں۔

**اونٹ**— جسے ریگستان کا جہاز بھی کہا جاتا ہے اور یہ بغیر پانی کے چٹیل میدان اور ریگستان کو پار کرتے وقت بے آب و دانہ کئی کئی ہفتے زندہ رہ سکتا ہے۔ اس کا جسم پانی کو ذخیرہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور یہ ایک وقت میں کافی زیادہ مقدار میں پانی پی سکتا ہے۔ یہ اپنے کوہان میں چربی ذخیرہ کر کے رکھتا ہے۔ کمر میں موجود یہی چربی اس کی طاقت کا اصل خزانہ ہوتی ہے۔ یہ میلوں کی مسافت بھوکا اور پیاسا طے کر سکتا ہے اور چالیس دن تک بغیر چارے اور پانی کے زندہ رہ سکتا ہے۔

**بھیڑیں**— امریکہ کے یونائیٹڈ پرووِنسز میں ایک قسم کی ایسی بھیڑیں پائی جاتی ہیں جو پانی نہ پینے میں اونٹ کے بھی کان کاٹتی ہیں۔ اس قسم کی بھیڑیں 'نیونیشنل فاریسٹ' نامی جنگل اور صحرا میں رہتی ہیں۔ وہ چار، ساڑھے چار ماہ بغیر پانی کے بخوشی بسر اوقات کرتی ہیں اور صرف شبنم چاٹ کر یا رس دار پودوں کو کھا کر زندگی کے دان گزارتی ہیں۔ اسی طرح وسط ایشیا کی بھیڑیں، ہری ہری گھاسوں کو چر کر موسم گرما میں بھی چالیس دن تک بغیر پانی کے زندہ رہ سکتی ہیں۔

**نیو میکسیکو**— یہ امریکن صحرا کے کنارے اوسر ٹیلوں پر رہتے ہیں۔ وہاں بارش کافی کم مقدار میں ہوتی ہے اور پانی کے چشمے بہت دور اور کم تعداد میں پائے جاتے ہیں، اس لیے یہ جاندار پودوں کے کند یا جھاڑیوں کے موٹے رس دار پتوں کو چبا کر ہی اپنی پیاس بجھاتے ہیں اور اسی طرح ان کی نسل بڑھتی رہتی ہے۔

**تھیلی دار چوہا**— یہ صحرا کا ایک مشہور جاندار ہے، اس قسم کے چوہے کے گال کے قریب ایک تھیلی ہوتی ہے جس میں وہ کھانے پینے کی چیزیں رکھ لیتے ہیں اور حسب ضرورت اس میں سے نکال نکال کر اپنا کام چلاتے ہیں۔ ان کو پانی پینے کی کبھی ضرورت نہیں ہوتی۔ کئی مقامات پر ان چوہوں کو صرف خشک اناج کھلا کر تین سال تک رکھا گیا ہے اور اس درمیان میں کوئی سبز چیز بھی انھیں نہیں دی گئی، جو اناج انھیں دیا جاتا تھا اس میں 10 فیصدی پانی رہتا تھا مگر وہ کسی قسم کی بے صبری ظاہر نہیں کرتے تھے۔ ایسا خشک اناج جو گلے سے نیچے نہیں اتر سکتا وہ انھیں کھا کر اپنی زندگی گزارتے تھے، جب ان کا وزن کیا گیا تو وہ پہلے کی بہ نسبت زیادہ تھے۔

**کنگارو چوہا**— یہ چھوٹا سا جاندار صحرا میں رہتا ہے اور اپنی غذا کے طور پر بیج سے پانی حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے پانی پینے کی کبھی ضرورت نہیں ہوتی۔

**پینگوئن**— زمین پر مشکل ترین حالات میں زندہ رہنے والے جانداروں میں پینگوئن بھی شامل ہے۔ قدرت کا یہ عجیب قانون ہے کہ مادہ پینگوئن شکار کے لیے منفی سینٹی گریڈ درجہ حرارت میں بھی زندہ رہتی ہے، جب کہ اس کے نر گرم گھونسلوں میں بچوں کو سنبھالتے ہیں۔ پینگوئن بغیر پانی اور غذا کے دو سے چار ماہ تک زندہ رہ سکتے ہیں۔ یہ جاندار خشک علاقوں میں رہتے ہیں اور پانی کی کمی کو برداشت کر سکتے ہیں۔

**ٹارڈ یگریڈ**— یہ خطہ زمین کی سب سے مضبوط مخلوق سمجھی جاتی ہے۔ ٹارڈ یگریڈ کو عام بول چال میں پانی کا ریچھ یا کائی کے سور کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ آٹھ ٹانگوں والا یہ دنیا کا واحد ایسا سخت ترین جاندار ہے جو ایٹم بم کے پھٹنے یا آگ لگنے کے بعد بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ یہ دنیا کی ہر آفت اور مصیبت کو برداشت کر سکتا ہے۔ یہ مائکرو اسکوپ کیڑا تیس برس تک خوراک اور پانی کے بغیر زندہ رہنے کی انوکھی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسے صرف ایک ہی چیز دنیا سے ختم کر سکتی ہے اور وہ ہے سورج کا خاتمہ۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے ماہرین کا خیال ہے کہ جب ہماری زمین سے ہر طرح کی زندگیاں ختم ہو جائیں گی اس وقت ٹارڈ یگریڈ ہی وہ آخری جاندار ہوگا جو زمین پر زندہ رہ جائے گا۔ یہ شہاب ثاقب کے گرنے، ستارے کے پھٹنے اور شعاؤں کے دھماکے جیسے تباہ کن واقعات کو جھیلنے کی بھی سکت رکھتا ہے اور ان حالات میں بھی زندہ بچ سکتا ہے۔ یہ منفی 272 ڈگری سیلسئس سے لے کر 150 ڈگری سینٹی گریڈ تک درجۂ حرارت کو برداشت کر سکتا ہے۔ اس کے متعلق ماہرین کا خیال ہے کہ اس کی نسل آج سے سے کم کم از کم 10 ارب سال بعد بعد تک دنیا میں باقی رہے گی۔ ایک ملی میٹر سے بھی چھوٹے اس جاندار کو ہم مائکرو اسکوپ کے بغیر دیکھ بھی نہیں سکتے، مگر اس میں ہر طرح کے ماحول میں زندہ رہنے کی قوت موجود ہے۔ عموماً یہ کیچڑ، کائی، گھاس اور نم دار جگہوں پر کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اس کے متعلق سب سے پہلے 1773 میں جرمن ماہر حیوانیات 'جوہان اگست ایفرائیم گوئز' (Johann August Ephraim Goeze) نے معلومات فراہم کی تھی۔ اطالوی ماہر حیاتیات 'لزارو اسپالنزانی' نے اس کا نام ٹارڈ یگریڈ رکھا جس کا مطلب ہے 'سست قدم رکھنے والا'۔

**کوالہ**— آسٹریلیا میں پایا جانے والا ایک ایسا جانور ہے جو عمر بھر پانی نہیں پیتا لیکن رہتا پانی کے قریب درختوں پر ہے۔ وہ یوکلپٹس کے درختوں کے پتے کھاتا ہے، اور وہ بھی ایسے پتے جو چبانے میں سخت اور تاثیر میں زہریلے ہوتے ہیں۔ انھی سے وہ پانی کی اپنی ضرورت کو پورا کر لیتا ہے۔ کوالہ پانی کا ایک گھونٹ پیے بغیر ہی اپنی پوری زندگی گزار دیتا ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ یہ جاندار تقریباً ڈھائی کروڑ سال سے آسٹریلیا کے جنگلات میں موجود ہے۔

**ریچھ**— ایک ایسا چوپایا ہے جس کی دنیا میں آٹھ قسمیں پائی جاتی ہیں۔ یہ جاندار تقریباً 100 دن تک بغیر کچھ کھائے پیے زندہ رہ سکتا ہے۔

**مینڈک**— مینڈک اپنے ساتھی کے تئیں بہت ہی وفادار ہوتے ہیں، یہ پوری زندگی ایک ہی ساتھی کے ساتھ گزار

دیتے ہیں۔ یہ بھی طویل عرصے تک پانی اور خوراک کے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں، ماہرین کا کہنا ہے کہ مینڈک کی رطوبت والے ماحول میں 16 ماہ تک خوراک کے بغیر زندہ رہنے والا جاندار ہے۔

**شارک مچھلی**— سفید رنگ کی بڑی شارک مچھلی ان جانداروں میں سے ایک ہے جو بھوکی پیاسی کئی ہفتوں تک زندہ رہ سکتی ہے۔

**مگر مچھ**— مگر مچھ کا شمار رینگنے والے جانداروں میں ہوتا ہے، یہ اپنا زیادہ تر وقت پانی میں گزارتے ہیں مگر یہ خشکی پر بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔ ان کے بارے میں ماہرین کا خیال ہے کہ اگر ان کو لگاتار تین برس تک پانی اور خوراک نہ دی جائے تو بھی انھیں کوئی پروا نہیں۔ یہ مسلسل کئی سالوں تک بھوکے اور پیاسے زندہ رہ سکتے ہیں۔

**کچھوا**— کچھوا قدیم ترین زندہ جانداروں میں سے ایک ہے۔ ان میں پانی اور خشکی دونوں جگہوں پر زندہ رہنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ یہ گھاس کے علاوہ ہر چیز کھاتے ہیں۔ بڑے کچھوے تقریباً ایک برس تک پانی اور خوراک کے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں۔ ماہرین نے کچھوے کی اوسط عمر ڈیڑھ سو سال بتائی ہے۔

**سانپ**— بغیر پانی کے ایک سے دو ماہ تک زندہ رہ سکتے ہیں، بلکہ ان کی کچھ قسمیں اس سے بھی زیادہ عرصے تک محض زمین اور درختوں کی نمی کو چاٹ کر زندگی گزارتے ہیں اور کئی برس تک بنا پانی کے زندہ رہنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

**مکڑی**— مکڑی ایک قسم کا کیڑا ہے، جو اپنے لعاب سے جالا بنتی ہیں اور مکھیاں پکڑ کر کھاتی ہیں۔ ان میں بھی طویل مدت تک خوراک اور پانی کے بغیر زندہ رہنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ یہ کئی ماہ تک بغیر کچھ کھائے اور بنا پانی کے زندہ رہ سکتی ہیں۔

**مڈاسکائپر**— یہ افریقا، آسٹریلیا اور جنوبی امریکہ میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ یہ پانی اور خشکی پر زندہ رہنے والی مچھلیوں ہی کی ایک قسم ہے۔ یہ جاندار چار برس تک غذا اور خوراک کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے۔

**ریگستانی چھپکلیاں**— یہ جاندار پانی کے بجائے نمی کو اپنے جسم سے جذب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

دنیا کے ایک جزیرے میں کچھ ایسے جاندار پائے گئے ہیں جو بغیر پانی کے زندہ رہتے ہیں۔ اس جزیرے کی حد 6 میل تک ہے، اس میں نہ کوئی جھیل ہے اور نہ کوئی چشمہ۔ غرض کہ پانی کا ملنا ہر طرح سے ناممکن ہے لیکن وہاں چوہا، چھپکلی اور چار قسم کے پرندے ملتے ہیں۔ ان پرندوں میں دو ایسے ہیں جو ہمیشہ پانی کے کنارے موجود رہتے ہیں لیکن اگر انھیں کچھ دنوں تک پانی نہ ملے تو کوئی نقصان نہیں وہ معمولی شبنم ہی سے اپنی پیاس بجھا لیتے ہیں۔

یہ تمام جاندار خشک اور سخت موسمی حالات میں زندہ رہنے کے لیے ارتقائی طور پر مخصوص خداداد صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔

■

**Dr. Zafrul Islam**
TGT (Urdu), Daud Memorial
Urdu Girls High School, Telhatta
Siwan- 841226 (Bihar)
Mob.: 9336239933
Email: zafarghosi@gmail.com

عبیر الٰہی

# جونیئر عالمی کپ ہاکی ٹورنامنٹ میں جرمنی کی فتح

**دفاعی چمپئن** جرمنی نے آٹھویں مرتبہ جونیئر عالمی کپ جیت کر اپنا ہی ریکارڈ بہتر کیا۔ میئر رادھا کرشنن ہاکی اسٹیڈیم، چنئی میں کھیلے گئے فائنل میچ میں اس نے اسپین کو ٹائی بریکر میں شکست دے کر چمپئن ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ جرمنی کی جانب سے 26 ویں منٹ میں جسٹس وارویک نے فیلڈ گول کر کے اپنی ٹیم کو برتری دلائی۔ یہ برتری زیادہ دیر تک قائم نہیں رہی کیونکہ اسپین کے نکولس مستاروس نے 33 ویں منٹ میں فیلڈ گول کر کے اسکور 1-1 سے برابر کر دیا تھا۔ ان دو گولوں کے بعد کسی بھی ٹیم کی جانب سے کوئی گول نہیں ہوا۔ پنالٹی شوٹ آؤٹ میں جرمنی نے 3-2 سے جیت حاصل کی اور چمپئن ہونے کا اعزاز حاصل کرلیا۔ 2023 میں ہوئے ٹورنامنٹ میں جرمنی نے فرانس کو شکست دے کر خطاب پر قبضہ کیا تھا جب کہ اسپین کو تیسرا مقام حاصل ہوا تھا۔

میزبان ہندوستان نے تیسری پوزیشن کے لیے ہوئے میچ میں ارجنٹینا کو 4-2 سے شکست دی۔ ہندوستان کو دو سال قبل ہوئے ٹورنامنٹ میں چوتھا مقام حاصل ہوا۔ جب کہ ارجنٹینا اس میں ساتویں مقام پر رہی تھی۔

اس مرتبہ 16 کے بجائے 24 ٹیموں کو جونیئر عالمی کپ ہاکی ٹورنامنٹ میں شرکت کا موقع ملا۔ ان ٹیموں کو چھ گروپوں میں تقسیم کیا گیا۔ ہر گروپ کی فاتح ٹیم کے علاوہ دو بہترین ٹیموں کو کوارٹر فائنل میں کھیلنے کا موقع ملا۔ گروپ اے سے جرمنی، گروپ بی سے ہندوستان، گروپ سی سے ارجنٹینا اور نیوزی لینڈ، گروپ ڈی سے اسپین اور بلجیم، گروپ ای سے نیدرلینڈس اور گروپ ایف سے فرانس نے آخری آٹھ ٹیموں میں جگہ بنائی۔

کوارٹر فائنل میں اسپین نے نیوزی لینڈ کو 4-3 سے ہرایا جب کہ جرمنی نے فرانس کے خلاف پنالٹی شوٹ آؤٹ میں 3-1 سے شکست دی۔ مقررہ وقت تک دونوں ٹیمیں 2-2 سے برابر تھیں۔ ارجنٹینا نے نیدرلینڈس کے خلاف 1-0 سے جیت درج کی جب کہ ہندوستان پنالٹی شوٹ آؤٹ میں بلجیم کو 4-3 سے شکست دینے میں کامیاب رہی۔ اس کوارٹر فائنل میچ میں دونوں ٹیمیں مقررہ وقت تک 2-2 سے برابر تھیں۔

آٹھ مرتبہ خطاب حاصل کرنے کے علاوہ جرمنی نے دو مرتبہ دوسرا مقام اور تین مرتبہ تیسرا مقام حاصل کیا ہے۔ ہاکی کے جونیئر عالمی کپ کی شروعات 1979 میں فرانس کے شہر ورسالیز میں ہوئی۔ کوالالمپور میں جب 1982 میں یہ عالمی کپ ہوا تو جرمنی نے آسٹریلیا کو 4-1 سے شکست دے کر پہلی مرتبہ خطاب پر قبضہ کیا تھا۔ 1985 میں وینکور میں ہوئے عالمی کپ میں جرمنی نے کامیابی کے ساتھ اپنے خطاب کا دفاع کیا تھا۔ اس نے فائنل میں نیدرلینڈس کو 4-1 سے شکست دی تھی۔

1989 میں جرمنی نے فائنل میں آسٹریلیا کو پنالٹی شوٹ آؤٹ میں 4-2 سے شکست دے کر اپنی ہیٹرک مکمل کی تھی۔

ہاکی کا جونیئر عالمی کپ جیتنے والی تیسری ٹیم آسٹریلیا تھی جس نے 1997 میں ملٹن کینس میں ہوئے ٹورنامنٹ کے فائنل میں ہندوستان پر جیت درج کی تھی۔ 1997 میں دوسرا مقام حاصل کرنے والی ہندوستان نے چار سال بعد ہوبرٹ میں ہوئے ٹورنامنٹ میں چمپئن ہونے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ وہ ہاکی کا جونیئر عالمی کپ جیتنے والی چوتھی ٹیم بنی تھی۔ فائنل میں اس نے ارجنٹینا کو 6-1 سے شکست دی تھی۔

روٹرڈیم میں ہوئے ٹورنامنٹ میں ارجنٹینا نے فائنل میں آسٹریلیا کو 2-1 سے شکست دے کر ہاکی کا جونیئر عالمی کپ جیتنے والی پانچویں ٹیم ہونے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔

2009 میں ہوئے ہاکی کے جونیئر عالمی کپ میں جرمنی نے نیدرلینڈس کو 3-1 سے شکست دے کر پانچویں مرتبہ خطاب اپنے نام کیا تھا۔ اس نے 2013 میں نئی دہلی میں ہوئے ٹورنامنٹ میں چھٹی مرتبہ یہ خطاب جیتا تھا۔ اس مرتبہ اس نے فرانس کو فائنل میں 5-2 سے شکست دی تھی۔ 2016 میں لکھنؤ میں ہوئے ٹورنامنٹ میں میزبان ہندوستان نے بلجیم کو فائنل میں 2-1 سے شکست دے کر دوسری مرتبہ خطاب اپنے نام کیا تھا۔

بھونیشور میں 2021 میں ہوئے ٹورنامنٹ میں ارجنٹینا نے دوسری مرتبہ ہاکی کا جونیئر عالمی کپ جیتا تھا۔ اس نے فائنل میں جرمنی کو 4-2 سے شکست دی تھی۔ ہندوستان کو اس ٹورنامنٹ میں چوتھا مقام ملا تھا۔ تیسری پوزیشن کے لیے ہوئے میچ میں اسے فرانس نے 3-1 سے شکست دی تھی۔ ملیشیا کی راجدھانی کوالالمپور میں 2023 میں جب دوسری مرتبہ یہ ٹونامنٹ ہوا تو جرمنی نے ساتویں مرتبہ خطاب پر قبضہ جمایا۔ فائنل میں اس نے فرانس کو 2-1 سے شکست دی۔ ہندوستان نے اس مرتبہ بھی چوتھا مقام حاصل کیا تھا۔ تیسرے مقام کے لیے ہوئے میچ میں اسے اسپین نے 3-1 سے شکست دی تھی۔ ہندوستان نے تین مرتبہ چوتھا مقام حاصل کیا ہے، ایک مرتبہ وہ تیسرے مقام پر رہا جب کہ ایک مرتبہ اسے فائنل میں شکست ہوئی تھی۔ اس نے 2001 اور 2016 میں خطاب پر قبضہ بھی کیا ہے۔

**جونیئر عالمی کپ ہاکی 2025 میں پہلی دس ٹیموں کی کارکردگی**

| | ٹیم | میچ | جیتے | ہارے | فتح کا تناسب |
|---|---|---|---|---|---|
| 1 | جرمنی | 6 | 4 | 0 | 83.33 فیصد |
| 2 | اسپین | 6 | 5 | 0 | 91.66 فیصد |
| 3 | ہندوستان | 6 | 4 | 1 | 75.00 فیصد |
| 4 | ارجنٹینا | 6 | 3 | 2 | 58.33 فیصد |
| 5 | بلجیم | 6 | 3 | 1 | 66.66 فیصد |
| 6 | نیدرلینڈس | 6 | 4 | 1 | 75.00 فیصد |
| 7 | فرانس | 6 | 4 | 1 | 75.00 فیصد |
| 8 | نیوزی لینڈ | 6 | 2 | 0 | 33.33 فیصد |
| 9 | انگلینڈ | 6 | 5 | 1 | 83.33 فیصد |
| 10 | آئرلینڈ | 6 | 3 | 3 | 50.00 فیصد |

* انٹرنیشنل ہاکی فیڈریشن کے قواعد کے مطابق پنالٹی شوٹ آؤٹ میں جن میچوں کا فیصلہ ہوتا ہے وہ برابر مانے جاتے ہیں۔

■

**Abeer Elahi**
1433, Qasim Jan Street
Ballimaran
Delhi- 110006
elahiabeer@gmail.com

ام حبیبہ

# پھولی ہوئی لومڑی

مصنف: غضنفر

صفحات: 28، قیمت 35 روپے، سنہ اشاعت: 2025

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

مبصر: ام حبیبہ
بی-اے، (سال اوّل) پولیٹکل سائنس، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

**بچوں کے لیے قومی اردو کونسل سے شائع ہونے والی تازہ مطبوعات ایک تربیتی ورکشاپ کا نتیجہ ہیں۔ اس ورکشاپ میں تخلیق کاروں کے ساتھ نو عمر بچوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ جنھوں نے کہانیاں سننے کے بعد اپنے تاثرات کا بھی اظہار کیا۔ درج ذیل کتاب پر یہ تبصرہ بھی ورکشاپ میں شامل ایک طالب علم کی کاوش ہے، جسے بچوں کی حوصلہ افزائی کے لیے شاملِ اشاعت کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)**

**کہانی** ''پھولی ہوئی لومڑی'' کے مصنف غضنفر صاحب ہیں۔ غضنفر صاحب کو میں نے بہت زیادہ نہیں پڑھا لیکن ان کا نام سنتی رہتی تھی، کئی رسالوں اور کتابوں میں بھی ان کا نام دیکھ چکی ہوں جس سے اتنا معلوم تھا کہ وہ ایک کہانی کار ہیں۔ مجھے قومی اردو کونسل کی جانب سے منعقد ہونے والی ورکشاپ میں شامل ہونے اور بچوں کے لیے لکھی گئی کہانیاں سننے کا موقع ملا جس کے لیے میں قومی اردو کونسل کی شکر گزار ہوں۔ اسی دوران میں نے غضنفر صاحب کی کہانی ''پھولی ہوئی لومڑی'' بھی سنی۔ یہ ایک مختصر کہانی ہے جو ساتھ ہی ساتھ ایک علامتی کہانی بھی ہے جس میں جانوروں کے درمیان مکالمے کے ذریعے عکاسی کی گئی ہے۔ یہ کہانی خاص کر بچوں کے لیے لکھی گئی ہے۔

یہ کہانی میں نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی طرف سے کرائے گئے ورکشاپ کے درمیان بحیثیت طالب علم سنی تھی۔ میں وہاں اپنے اسکول جامعہ سینئر سکنڈری اسکول کی طرف سے گئی تھی۔ اس ورکشاپ میں کئی بڑے قلم کار موجود تھے جو اپنی کہانی ہم بچوں اور دوسرے قلم کاروں کو سنا رہے تھے تاکہ بچوں کے لیے ایک کتاب منتخب ہو سکے۔ وہاں میں نے بہت سی کہانیاں سنیں جن میں سے ایک بہترین کہانی ''پھولی ہوئی لومڑی'' بھی ہے۔ اس کہانی نے مجھے کافی متاثر کیا تھا اور آج اس کہانی پر تبصرہ لکھنا میری خوش قسمتی ہے۔

اس کہانی کے اہم کردار چیتا، لومڑی اور ببر شیر ہیں اس کے علاوہ اور بھی کئی جانوروں کا ذکر اس کہانی میں کیا گیا ہے جیسے ہاتھی، بندر، بھالو، خرگوش، نیولہ اور سانپ وغیرہ۔ اس کہانی میں جنگل کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے جانوروں کے درمیان بات چیت کے ذریعے انسانی نفسیات کو علامت دی گئی ہے کہ کس طرح سے سماج میں کچھ ہو جائے تو لوگ اس بات پر اپنی رائے دیتے ہیں اور اس بارے میں سوچ کر خوش رہتے ہیں۔ انسانوں کی اس کیفیت کو مصنف نے خوبصورتی سے جانوروں کے ذریعے اس کہانی میں پیش کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ

اس کہانی میں ببر شیر کا ذکر کیا گیا ہے اور جانوروں کے پس پردہ اصلاح کا کام لیا گیا ہے جو اپنی عادتوں اور حرکتوں سے بالکل انسانوں جیسے معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی باتیں بھی ہمارے لیے کافی اہم ہیں جن سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔

اس کے علاوہ اس کہانی میں چیتے اور لومڑی کے درمیان ہوئے مت بھید کو بھی دکھایا گیا ہے۔ جس پر جنگل کے سبھی جانور آپس میں بات چیت کرتے ہیں۔ ببر شیر ان کے مت بھید کو ٹھیک کر کے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے۔

اس کہانی میں مصنف کا انداز تحریر سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ کہانی کا پلاٹ کافی مضبوط ہے۔ کہانی کو آسان الفاظ میں لکھا گیا ہے۔ بچے اس کہانی کو اچھے سے پڑھ سکتے ہیں۔ اس کہانی کا مرکزی خیال معاشرتی اور نفسیاتی ہے۔ مگر اس کہانی کا اصل مقصد اور پیغام سمجھنا میرے خیال سے بچوں کے لیے تھوڑا مشکل ثابت ہوسکتا ہے۔

کیونکہ یہ ایک علامتی کہانی ہے اور اس کا آخری حصہ تھوڑا مشکل ہے۔ مگر یہ کہانی ایک بہترین کہانی ہے۔ کہانی کا سب سے مضبوط پہلو مجھے مکالمہ نگاری لگا جو اس کہانی کو جاندار بناتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کہانی کے کرداروں کو گہرائی سے بیان کیا گیا ہے چونکہ جانوروں کے ذریعے علامت دی گئی ہے اس لیے یہ نقطہ کہانی کو دلچسپ بناتا ہے۔ اس کہانی کو پڑھتے وقت تجسس پیدا ہوتا ہے اور ہم قاری یہ سوچتے ہیں کہ آگے کیا ہوگا جو اپنے آپ میں کہانی کی ایک بڑی کامیابی ہے۔

اس کہانی میں مجھے چیتے کا کردار اچھا لگا جو بے خوف

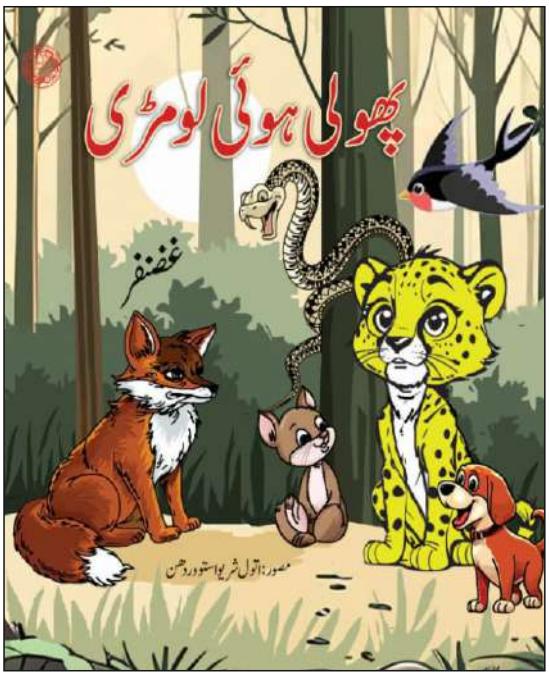


اور نہایت پرسکون حالت میں رہتا ہے۔ جب جنگل کے سبھی جانور اس کے خلاف تھے تب بھی وہ بے خوف تھا اور آخر میں بھی اس نے سبھی جنگل کے جانوروں سے ہمت کے ساتھ مقابلہ کیا ساتھ ہی ساتھ اس کہانی سے ہمیں بہت سے سبق ملتے ہیں جیسے کہ حرام کی چیزوں میں برکت نہیں ہوتی اور اگر ہم صحیح اور حق پر ہیں تو ہمیں کسی سے ڈرنا نہیں چاہیے۔

اور اس کہانی میں یہ بھی بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح طاقتور لوگ انصاف نہیں بلکہ وہ فیصلہ کرتے ہیں جو ان کی طاقت کو مزید بڑھائے اور ان کی طاقت کا مظاہرہ ہو۔

■

**Umme Habiba**
D-133
Johar Bagh
Jamia staff quarter
New Delhi - 110025

# تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

جنرل نالج بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب وثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہوجائیں گی۔ (ادارہ)

1. کون سا سیارہ سرخ سیارے کے نام سے جانا جاتا ہے؟
2. آبادی کے اعتبار سے ہندوستان کے سب سے بڑے شہر کا نام بتائیں؟
3. کمپیوٹر کا موجد کون ہے؟
4. ہندوستان کے کس شہر کو Pink city بھی کہا جاتا ہے؟
5. 'ہیرو کمپنی' کا صدر دفتر کہاں ہے؟
6. یک روزہ کرکٹ ٹورنامنٹ میں سب سے زیادہ رن کس کھلاڑی نے بنایا؟
7. ادارہ NCERT کا صدر دفتر کس شہر میں واقع ہے؟
8. 'نالندہ یونیورسٹی' نئے سرے سے کب شروع ہوئی؟
9. BHU کا فل فارم بتائیں؟
10. دنیا کے سب سے بڑے پہاڑ کا کیا نام ہے؟
11. 'آسکر ایوارڈ' کا تعلق کس شعبے سے ہے؟
12. 'سنگم' کے لیے ہندوستان کا کون سا شہر مشہور ہے؟
13. آبادی کے اعتبار سے ہندوستان کے سب سے بڑے صوبے کا نام بتائیں؟
14. GST کا فل فارم کیا ہے؟
15. شہر 'ٹوکیو' کس ملک کی راجدھانی ہے؟
16. 'فیسبک' کب اور کس کے ذریعے لانچ ہوا؟
17. 'فلپ کارٹ' کے بانی کون ہیں؟
18. 'گاندھی نگر' کس صوبے میں واقع ہے؟
19. 'اشوک راج پتھ' کا نیا نام کیا ہے؟
20. 'نالندہ یونیورسٹی' کے بانی کون تھے؟

(جواب صفحہ نمبر 38 پر ملاحظہ فرمائیں)

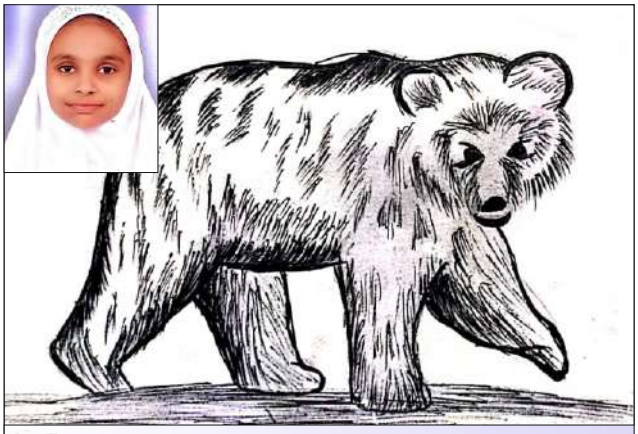

نبیلہ اسلم شیخ، درجہ ششم، ایس زیڈ قاضی اردو گرلس ہائی اسکول، شہادہ (مہاراشٹرا)

عاشیہ جاوید بنت جاوید اشرف، درجہ چہارم
دہلی ورلڈ پبلک اسکول، ایکمی دربھنگہ، بہار

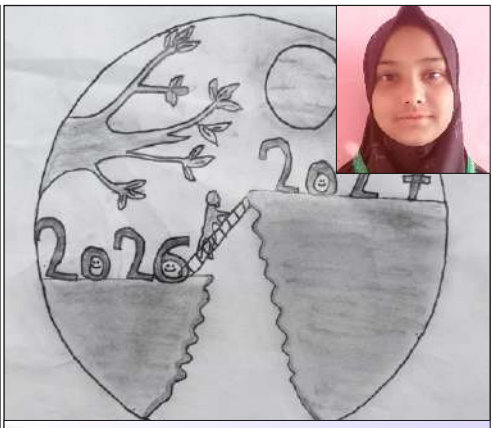


عائشہ صدیقہ محمد اعجاز انصاری، ساتویں جماعت
گورنمنٹ اردو گرلز ہائیر سیکنڈری اسکول حریر مدھیہ پردیش

انس عبدالحفیظ چودھری، درجہ سوم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول پوار بستی چکھلی، پونہ (مہاراشٹرا)

مامور عبدالواحد منصوری، درجہ سوم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول پوار بستی چکھلی، پونہ

محمد عفّان محمد شارق، درجہ ششم
دی مالیگاؤں اسکول اینڈ جونیئر کالج مالیگاؤں، ناسک

ایمان رحمٰن، درجہ اوّل، ڈی ڈبلیو پی ایس، دربھنگہ، بہار

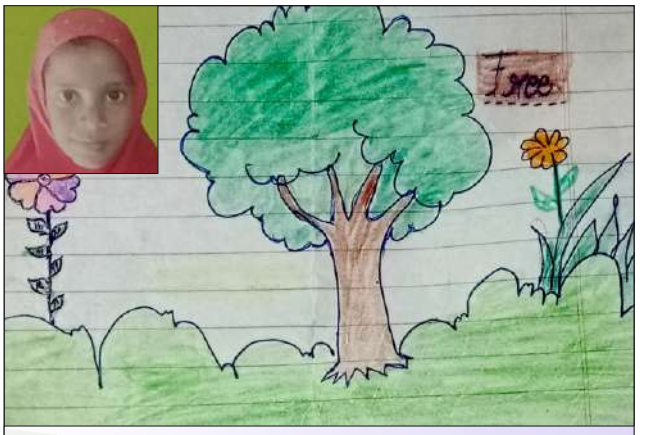


شفگتہ ام ایمن بنت محمد کلیم اللہ، درجہ دوم، گورنمنٹ اردو مڈل اسکول، بھلاہی، سہرسہ، بہار

احمد ذوالقرنین بن کلیم اللہ، درجہ یو کے جی، جامعہ ولی رحمانی بھلاہی، سہرسہ، بہار

فیضہ امن ایمن بنت محمد کلیم اللہ، درجہ سوم
گورنمنٹ اردو مڈل اسکول، بھلاہی، سہرسہ، بہار

ماہرہ کشف، ZP اردو اسکول، ہیوارکھیڑ، تیلیا 16، ضلع آکولہ

محمد سمیر ابن محمد رئیس، گورنمنٹ ایما گرد اسکول حمید پورہ، برہان پور، ایم پی

سعدیہ بیگم سرفراز بیگم، دسویں جماعت، اردو ہائی اسکول، شمشیر پورا، پمپل گاؤں راجہ

شاہین کوثر افتخار احمد، درجہ ششم، گورنمنٹ اردو گرلز ہائیر سیکنڈری اسکول
حریر پورہ برہان پور مدھیہ پردیش

ہما عرشیہ مظہر حسین، بارہویں جماعت، گورنمنٹ اردو گرلز ہائیر سیکنڈری اسکول
حریر پورہ برہان پور، مدھیہ پردیش

طیبہ نور، درجہ دوم

محمد روحان، کلاس دوم، ایجل نرسری اینڈ پرائمری اسکول، لال کنواں، دہلی

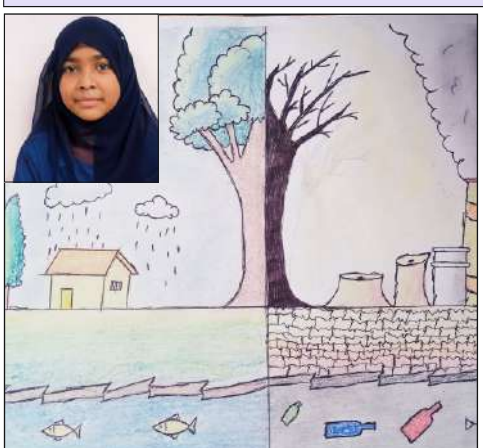

ترنم کوثر، ساتویں جماعت، گورنمنٹ اردو گرلز ہائیر سیکنڈری اسکول
حریر پورہ برہان پور مدھیہ پردیش

# قلم کاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

**قلم کاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:**

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلم کار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, मार्च 2026, वर्ष 14, अंक 03
BACHON KI DUNIYA Monthly, March 2026 Vol. 14, Issue: 03
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/02/2026
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

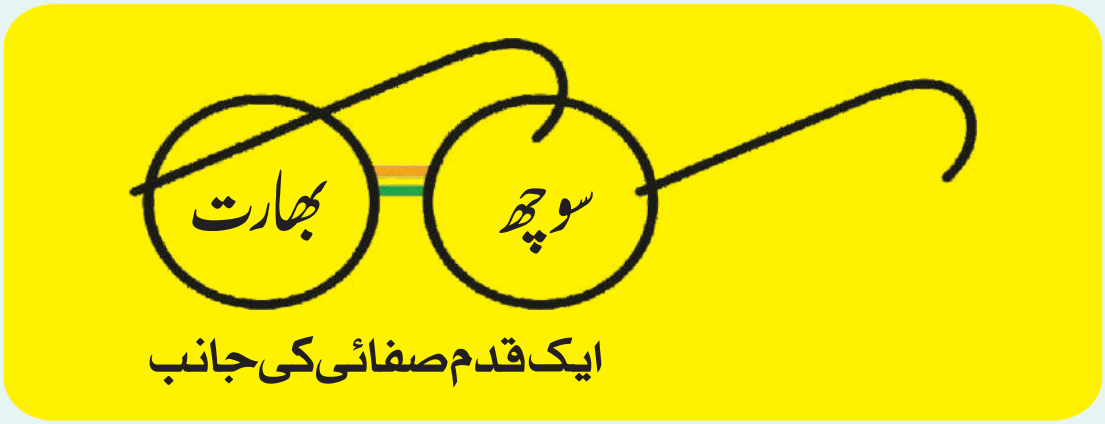


## بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Md Shams Equbal, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at Makoff Printers, B - 127, Sector 65, Noida, U.P
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.